دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارُالعُلوم

جلد: ۱۰۵ | شعبان المعظم - شوّال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق اپریل - مئی ۲۰۲۱ء | شمارہ: ۴ - ۵

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 105, Issue No. 4-5, April-May 2021 अप्रैल–मई 2021
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/= | Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپئے

فہرست مضامین

حرف آغاز	تمہی درد کا اپنے درماں کروگے	محمد سلمان بجنوری	۳
سیرت نبویہ	دفاع سیرت طیبہ	مولانا اشرف عباس قاسمی	۶
اصلاح ورہنمائی	تقویٰ	مولانا مفتی توقیر عالم قاسمی	۱۹
// //	موجودہ حالات میں قرآنی ہدایات	مولانا محمد اجمل قاسمی	۵۳
// //	نماز کی سنن قبلیہ وبعدیہ؛ اہمیت وفضیلت !	مولانا عبدالقوی ذکی حسامی	۶۱
// //	علماء اور مدارس عبادت کے ذرائع.....	مولانا شاہ عالم گورکھپوری	۶۵
// //	انٹرنیٹ نفع وضرر کی میزان میں	مولانا محمد قاسم اوجھاری	۷۰
// //	زکوٰۃ دینے والوں کی خدمت میں	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی	۷۳
علماء دیوبند اور ادب	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ.....	ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۷۸
خدمات علماء دیوبند	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور تحریک اردو	مولانا ابرار احمد اجراوی	۸۹
مسائل وفتاوی		مفتیانِ کرام دارالعلوم	۹۸
احوال وکوائف		مولانا محمد اللہ قاسمی	۱۰۳
نئی کتابیں	تبصرہ	مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۱۰۷
	"النهضة الأدبية" عربی سہ ماہی رسالے کا اجراء	مولانا مصلح الدین قاسمی	۱۱۱

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

تمہی درد کا اپنے درماں کروگے

محمد سلمان بجنوری

اس وقت انسانی دنیا عموماً اور ہمارا وطن عزیز خصوصاً، کورونا کے نئے حملے کی زد میں ہے اور حالات نے وہ صورت اختیار کی ہے جس کا کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا، اموات کی وہ کثرت کہ تدفین یا آخری رسوم کی ادائیگی کے لیے بہت سے مقامات پر لائن لگ رہی ہے، انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ علاج میں وہ دشواریاں کہ دس گنا قیمت پر بھی اسبابِ علاج مہیا نہیں ہو رہے ہیں اور مریض آکسیجن کا انتظار کرتے ہوئے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ پھر احتیاطی تدابیر کے طور پر مختلف شہروں میں لاک ڈاؤن کے سلسلے شروع ہو چکے ہیں، جن سے غریب طبقے کے لیے مزید مسائل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ سال گذشتہ بیماری سے زیادہ اسی قسم کے مسائل نے بڑی تعداد کو متاثر کیا تھا، ان حالات کا مقابلہ سبھی مذاہب کے لوگ مل جل کر کر رہے ہیں اور اچھے لوگ ایک دوسرے کی مدد بھی کر رہے ہیں، جب کہ وبا کے خوف سے، مریضوں یا مُردوں کے ساتھ غیر مناسب سلوک کے واقعات بھی سامنے آ رہے ہیں۔

ان حالات کا ایک پہلو اور ہے جس کا تعلق لوگوں کے ذہن وفکر اور اُنکی سوچ سے ہے۔ عام طور پر چاروں طرف مریضوں اور اموات کی کثرت دیکھ کر لوگ گھبراہٹ اور مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں، منفی سوچ میں مبتلا ہو رہے ہیں اور اُن کا حوصلہ ٹوٹ رہا ہے۔ یہ صورت حال اگر اُن لوگوں کو پیش آئے جو ایمان سے محروم ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ تو اسباب سے اوپر اٹھ کر سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے؛ لیکن خود ہمارے لوگ بھی اس طرح کی سوچ میں مبتلا ہو رہے ہیں، یہ افسوس کی بات ہے۔ سردست اپنے اہل ایمان بھائیوں ہی سے اس سلسلے میں نہایت اختصار کے ساتھ کچھ عرض کرنا ہے۔

(۱) ہم سب کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ اللہ رب العزت کے ارادہ واختیار کے تحت پیش آتا ہے، اگر ہمارے لیے کچھ ناگوار حالات یا مشکلات پیش آئیں تو ہمارے لیے سب سے پہلے اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ اللہ نے ان حالات کو ہمارے لیے کیوں پسند کیا؟ اس سوال جواب جو قرآن کریم کی آیت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے حالات درحقیقت انسانوں کے اپنے غلط کاموں کا نتیجہ ہوتے ہیں؛ اس لیے ہمیں ایسے حالات میں سب سے پہلے اپنے احوال واعمال کا جائزہ لے کر انھیں سُدھارنے کی فکر کرنی چاہیے، گناہوں سے مکمل پرہیز کی کوشش اور اپنے کرنے کے تمام ضروری کام کرنے کا اہتمام اور پوری دیانت وامانت اور قوت کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کرنا، یہ فریضہ ہے ہر صاحب ایمان کا اور ہم سب کو اسی پر پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۲) یہ بات بھی ہمارے پختہ عقیدے کا حصہ ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے، جو ایک لمحہ آگے یا پیچھے نہیں ہوسکتا۔ بے شک یہ بات بھی صحیح ہے کہ اکثر وبیشتر، موت کے لیے کوئی ظاہری سبب وجود میں آتا ہے؛ لیکن حقیقت میں وہ موت کو لانے والا نہیں ہوتا، موت تو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے تحت مقررہ وقت پر آتی ہے، چنانچہ بہت سے لوگ شدید بیماری یا خطرناک حالات سے بھی بعافیت نکل آتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور بہت سے لوگ کسی ظاہری خطرے کے بغیر رخصت ہوجاتے ہیں، اس لیے چاروں طرف اموات کی کثرت سے گھبراہٹ اور مایوسی کا شکار ہونے کے بجائے اپنے یقین وایمان کو مضبوط کرنا چاہیے۔

(۳) تمام مشکلات کا حل اللہ کی مدد ہے؛ اس لیے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ رجوع الی اللہ اور دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، اس کے لیے رمضان المبارک کو خوب استعمال کیا جائے۔

(۴) ان حالات میں مایوس ہوکر اپنے کام چھوڑ کر نہیں بیٹھیں؛ بلکہ حالات جس قدر اجازت دیں، اپنے کام کرتے رہیں؟ البتہ جو احتیاطی تدابیر ضروری ہیں اُن سے غفلت نہ برتیں۔

(۵) ان تمام کاموں کے ساتھ اہل ایمان کو اپنی ایک اور ذمہ داری پر متوجہ ہونا چاہیے جو اللہ کے غضب کو دور کرنے اور رحمت کو متوجہ کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے، یہ عمل ایسا ہے جو صرف ہنگامی حالات ہی میں نہیں؛ بلکہ ہر حال میں ہماری مسلسل اور اہم ترین ذمہ داری ہے اور وہ یہ کہ ہم

اپنی بساط بھر دنیا سے برائیوں کے خاتمہ اور اچھائیوں کو عام کرنے کے لیے کام کریں، یہ وہ کام ہے جس کو قرآنی زبان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا جاتا ہے اور قرآن وحدیث میں اس موضوع پر جو کچھ رہنمائی ہے اس کی روشنی میں یہ کہنا بھی قطعاً درست ہوگا کہ ہم انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے جن حالات کا شکار ہیں ان کی اصل بنیاد اسی فریضہ سے غفلت ہے، خصوصاً برائیوں کو روکنے کے سلسلے میں ہماری بے عملی بہت خطرناک ہے۔ یہ موضوع چند جملوں میں سمیٹنے کا نہیں ہے؛ لیکن اس وقت اتنا کیے بغیر رہا نہیں جاسکتا کہ ہماری یہ کوتاہی اپنے گھروں اور ماحول کے انفرادی اعمال سے لے کر، قومی اور اجتماعی معاملات تک عام ہے اور اس پر پوری ذمہ داری کے ساتھ، اس کے حدود وشرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ کاربند ہونا ہمارے اور دنیا کے حالات بدلنے کے لیے ازحد ضروری ہے۔

نوٹ: اس عرصہ میں بڑی تعداد میں علماء ومشاہیر اور متعلقین واحباب، دنیا سے رخصت ہوئے ہیں ان میں سے کچھ حضرات کا ذکر آئندہ شمارے میں ہوگا ان شاء اللہ۔ سردست سبھی مرحومین کے لیے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

❁ ❁ ❁

دفاع سیرت طیبہ

(۵)

از: مولانا اشرف عباس قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

اسلامی جہاد اور دیگر جنگوں میں فرق

چودہ سال کے مسلسل انتہائی صبر آزما حالات کے بعد ۲ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو جہاد اور کافروں سے قتال کی اجازت دی گئی؛ چنانچہ حکم الٰہی نازل ہوا:

"أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ" (الحج:۳۹-۴۰)

''لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک کا دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو کہ اللہ کی مدد کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے''

امام رازیؒ فرماتے ہیں: "وهي أول آية اذن فيها بالقتال بعد ما نُهي عنه في نيف وسبعين آية" (التفسیر الکبیر ۲۳/۳۵)

''حکم قتال کے امتناع میں ستر سے زائد آیات کے نزول کے بعد یہ پہلی آیت تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی۔''

اس سے صاف واضح ہے کہ جہاد وقتال کی مشروعیت کا مقصد دین اسلام کا دفاع، اس کی

اشاعت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا، اسلام قبول کرنے کے خواہش مند افراد کو تحفظ فراہم کرنا، خدائے واحد کی پرستش اور عبادت کے تصور کو عام کرنا اور ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کرکے امن وانصاف کا ماحول قائم کرنا ہے۔

قرآن کریم میں صراحتاً لفظ جہاد چھ مقامات پر وارد ہوا ہے، اسی طرح لفظ قتال بیس مرتبہ اور اتنی ہی بار قتال کا مرادف کوئی اور لفظ استعمال ہوا ہے؛ لیکن کہیں بھی جہاد کا قتال کا مقصد یہ نہیں ذکر کیا گیا ہے کہ زبردستی لوگوں کو مسلمان بنادیا جائے؛ بلکہ جو فتنہ پرور، ظالم اور شر پسند نہ ہوں، کفر پر باقی رہتے ہوئے بھی ان سے جہاد کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ، إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (الممتحنة:۸-۹)

''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔''

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی جہاد اور دوسری جنگوں میں طریقۂ کار کے اعتبار سے بھی واضح فرق ہے اور مقاصد وانجام کے اعتبار سے بھی۔

طریقۂ کار کے اعتبار سے فرق

دنیا میں لڑی جانے والی جنگوں میں عام طور سے وہ تمام حربے اور بلا دریغ قتل وغارت گری کے وہ تمام طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن سے دشمنوں کو زیر کیا جاسکے؛ اس لیے بے قصوروں اور پرامن شہریوں پر بھی توپ وتفنگ کے دہانے کھول دیے جاتے ہیں۔ بڑی تعداد میں عورتوں، بچوں اور مذہبی لوگوں کو نشانہ بنا کر استعماری جذبات کو تسکین کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی جہاد کا مقصد چوں کہ قتل وغارت گری یا خوف ودہشت پیدا کرنا نہیں ہے؛ اس لیے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیے اصول وضوابط طے کیے اور جہاد کے صحیح طریقے سے روشناس کرایا۔

چنانچہ امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی شخص کو کسی اسلامی لشکر کا سالار مقرر کرتے تو اسے تقویٰ اختیار کرنے اور ساتھی مجاہدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے، پھر فرماتے: اللہ کے راستے میں اللہ کا نام لے کر لڑو، کافروں سے قتل کرو، لڑو اور دھوکہ وفریب نہ دو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، کسی نوزائیدہ بچے کو مت قتل کرو۔''

اگر جہاد کے اس طریقۂ کار اور اخلاقیات کی خلاف ورزی ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے اور محاسبہ کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كنا في غزاة فأصبنا ظفرا وقتلنا من المشركين، حتى بلغ بهم القتل إلى أن قتلوا الذرية، فبلغ ذلك النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال: ما بال اقوام بلغ بهم القتل إلى ان قتلوا الذرية؟ اَلا! لا تقتلنّ ذرية، قيل: لِمَ يا رسول اللّٰه، أليس هم أولاد المشركين؟ قال: اَوَليس خيارُكم أولاد المشركين" (سنن النسائی، رقم: ٨٦١٦، كتاب السير)

''ہم ایک غزوے میں تھے۔ اس میں غلبہ نصیب ہوگیا اور ہم نے مشرکین کو قتل کیا، قتل کا یہ سلسلہ اس حد تک دراز ہوگیا کہ کچھ لوگوں نے بچوں کو بھی قتل کرڈالا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: کچھ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جن کے قتل کا سلسلہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ انھوں نے بچوں کو قتل کرڈالا۔ خبردار! بچوں کو ہرگز قتل مت کرو، بچوں کو ہرگز قتل مت کرو، عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کیوں؟ کیا وہ مشرکین کے بچے نہیں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے بہترین لوگ بھی مشرکین کے بچے نہیں تھے؟''

ایک غزوے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ جمع دیکھ ایک صاحب کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا، انھوں نے بتایا: ایک عورت جس کو قتل کردیا گیا ہے اس کے پاس لوگوں کی بھیڑ ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عورت تو جنگ نہیں کررہی تھی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے دستے کے کمانڈر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: خالد سے کہنا: عورتوں اور لوگوں کی خدمت کرنے والے کو ہرگز قتل مت کرو۔'' (سنن ابی داؤد، باب فی قتل النساء، رقم: ٢٦٦٩)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت ہدایت تھی کہ فوراً ہی کسی قوم پر حملہ آور مت ہوجاؤ؛ بلکہ میدان کارزار میں بھی صلح اور اطاعت قبول کرلینے کا موقع دو۔

''جب بھی کسی مشرک قوم سے مقابلہ ہوتو اسے تین باتوں کی دعوت دو، وہ ان میں سے جس بات کو بھی قبول کرلے تو تم بھی انھیں قبول کرلو اور انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ، اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہوجائیں تو انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو، اور اگر وہ جزیہ دینے کے لیے آمادہ نہ ہوں تو پھر تم اللہ کی نصرت ومدد طلب کرو اور ان سے قتال کرو۔'' (صحیح مسلم: حدیث نمبر:۱۷۳۱)

مقاصد اور انجام کے اعتبار سے فرق

فتح کے بعد دنیا کے فاتحین عموماً بدمست ہوکر دشمن کے شہروں کو نذر آتش کردیتے، بربریت کا مظاہرہ کرتے اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیتے ہیں؛ لیکن پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام حرکات سے منع فرمادیا ہے؛ کیوں کہ آپ کی تعلیمات کے اعتبار سے جنگ کا مقصد فتنہ وفساد کا خاتمہ اور ظالمین کی سرکوبی ہے۔ فتح سے یہ مقصد حاصل ہوگیا، اس کے بعد ایسی کوئی بھی حرکت از سرنو فتنہ وفساد کو ہوا دینا ہے جس کی سختی سے ممانعت کردی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا" (الأعراف:۸۵)

''اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ اس کی درستگی کردی گئی فساد مت پھیلاؤ''۔

چنانچہ فتح مکہ کے بعد وہاں کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجائی گئی، شہریوں کے ساتھ ناروا سلوک نہیں کیا گیا؛ بلکہ شہر کی حرمت وتقدس کا خیال رکھتے ہوئے جانی دشمنوں کی نہ صرف جان بخشی کی گئی؛ بلکہ ان کے مکانات کو بھی جائے امن قرار دے دیا گیا اور اعلان کردیا گیا:

"اذهبوا فأنتم الطلقاء، لا تثريب عليكم اليوم"

''جاؤ تم آزاد ہو اور آج تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔''

عموماً جنگ وجدال کے نتیجے میں دشمنوں اور حاسدین کی تعداد میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے فاتح کی تلواریں اپنے مخالفین کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کردیتی ہیں؛ لیکن دلوں میں نفرت اور عداوت کے شعلے بھی بھڑکا جاتی ہیں؛ اس لیے مفتوح قوم کو جب موقع ہاتھ لگتا ہے وہ فاتحین سے اپنا حساب برابر کرنے میں دیر نہیں لگاتی ہے؛ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے نتائج اس کے بالکل برعکس ہیں۔ ان جنگوں کے ذریعے آپ نے مخالفین کے دلوں کو فتح کرلیا اور دشمن کے بجائے دوست اور ہمدرد پیدا کیے۔ ''طائف کا محاصرہ اٹھانے کے بعد وہ لوگ انتقام کے مواقع تلاش نہیں کرتے؛ بلکہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے ہیں، صلح حدیبیہ کی بہ ظاہر توہین آمیز شرائط کے

باوجود اور قدرت رکھنے کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح جویانہ پالیسی خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسے عظیم جرنیلوں کے ذہن کے رخ موڑ دیتی ہے اور وہ اسلام کے سچے خدمت گزار بن جاتے ہیں۔ مکہ کی فتح کے بعد صرف اہل مکہ ہی اس ''اخلاقی ضرب'' سے اسلام کے ہم نوا نہیں بن جاتے؛ بلکہ تمام قبائل عرب اسلام قبول کرکے اس قوت میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں، بتلایئے کسی دنیوی جنگ نے بھی ایسے نتائج اخذ کیے ہیں؟'' (عبدالرحمٰن گیلانی مجلّہ محدث اکتوبر ۱۹۹۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پیش آمدہ غزوات وسرایا کی مجموعی تعداد ۸۲ ہے، اگر ان سب کو جنگ تسلیم کرلیا جائے تو بھی ان میں مقتولین کی مجموعی تعداد ۱۰۱۸ ہے، جن میں سے ۲۵۹ مسلمان اور ۷۵۹ فریق مخالف کے مقتولین ہیں۔ اس مجموعی تعداد کو ۸۲ پر تقسیم کرنے سے فی جنگ ۱۱ $\frac{۸}{۸۲}$ اوسطاً نکلتا ہے۔

اس کے بالمقابل ان ہلاکت خیزیوں پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے جو امن کے نام نہاد علم برداران نے پہلی (۲۸/جولائی ۱۹۱۴ تا ۱۱/نومبر ۱۹۱۸ء) اور دوسری (۱/ستمبر ۱۹۳۹ تا ۲/ستمبر ۱۹۴۵ء) جنگ عظیم کے ذریعے دنیا پر مسلط کردی، جس کے نتیجے میں ۶۱ ملکوں کے پانچ کروڑ افراد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں:

''خیال کرو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا جنھوں نے فریقین کی صرف ۱۰۱۸ قربانیوں کے بعد اس قدر روحانی واخلاقی ومادی وملی فوائد حاصل کیے تھے جن کو بہ حیثیت مجموعی آج تک دنیا کی کوئی قوم اور ملک حاصل نہیں کرسکا۔ اہل دنیا کی لڑائیوں کا ذکر چھوڑو، مقدسین کی لڑائیاں اور مہابھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم نہیں، یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے جس قدر نفوس کو ہلاک کیا ان کی تعداد لاکھوں سے زائد ہے۔ جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب ''اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن'' میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکت نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے، جو عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی ہوئی تھی'' اکیلی سلطنت اسپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا، جن میں سے بتیس ہزار آدمی زندہ آگ میں جلائے گئے تھے۔'' (رحمۃ للعالمین ۱۷۴/۲، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں:

(عہد رسالت میں) تین ملین کلومیٹر رقبہ فتح کرنے کے لیے دشمن کے جتنے لوگ مرے ہیں ان

کی تعداد مہینے میں دو بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے شہداء کی تعداد دشمن کے مقتولین سے بھی کم ہے۔ جس سے ہمیں نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اسوۂ حسنہ بن کر دنیا کے حکمرانوں اور فاتحوں کو بتاتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ اور ان کو شکست دینے کی کوشش ضرور کرو؛ لیکن بے جا خون نہ بہاؤ۔'' (خطبات بھاولپور، خطبہ نمبر ۷)

اشاعت اسلام میں اخلاق وکردار کا اثر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور نظام کی غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق، قائدانہ صفات، عفو ودرگزر، بصیرت وحکمت اور تعلیمات مساوات وانسانیت کو بڑا دخل ہے۔ سعید روحیں جب اسلام کو قریب سے دیکھتیں تو اسے فطرت سے قریب پاکر اور اس کی خوبیوں سے متاثر ہوکر خود ہی اسے روح کی گہرائیوں میں اس طرح بسالیتیں کہ بڑے بڑے مظالم کے پہاڑ، حوادث کے طوفان اور طمع ولالچ کی وسیع دنیا بھی ان کے پائے استقامت میں جنبش پیدا نہیں کرپاتیں۔ ذیل کے چند نمونے دیکھیے اور فیصلہ کیجیے کہ آپ کی تلوار کے خوف سے لوگ کلمہ پڑھتے تھے یا اخلاق کریمانہ کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے ان کے قلوب ودماغ مسخر ہوتے تھے۔

ہجرت کے چوتھے سال غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استراحت کے لیے الگ ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ گئے، اپنی تلوار بھی اسی درخت سے لٹکادی، ایک مشرک شخص دبے پاؤں وہاں آدھمکا اور ننگی تلوار سونت کر بولا، بتا اے محمد! اب تجھ کو مجھ سے کون بچاسکتا ہے؟ اطمینان اور تسلی بھری آواز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''اللہ!'' یہ جواب سن کر اس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گرگئی۔ اب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار ہاتھ میں لے کر اس سے پوچھا: اب تو بتا تجھ کو مجھ سے کون بچاسکتا ہے؟ اس پر وہ رحم کی درخواست کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟ اس نے صاف جواب دیا: نہیں؛ البتہ میں اس کی یقین دہانی کرتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ نہیں لڑوں گا اور نہ ہی جنگ میں آپ کے دشمنوں کا ساتھ دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جانے دیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر کہا: میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں، جو لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔'' (رواہ ابوبکر الاسماعیلی فی صحیحہ)

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک جانی دشمن پوری طرح قابو میں ہونے کے باوجود قبول اسلام

سے منع کر دیتا ہے، پھر بھی اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر تلوار کے زور پر کلمہ پڑھانا ہوتا تو اس سے بہتر موقع شاید ہی ہاتھ آتا۔ اگر چہ واقدی نے لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس سے خلق خدا کو بڑا فائدہ پہنچا۔

ثمامہ بن اثال یمامہ کے حاکم، اللہ کے رسول کے شدید مخالف؛ بلکہ قسم کھا رکھی تھی کہ اگر موقع ملا تو نعوذ باللہ اللہ کے رسول کا اپنے ہاتھ سے خاتمہ کر دیں گے۔ مکہ جاتے ہوئے مدینہ طیبہ کی حدود سے گزرے تو وہاں گشت پر مامور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھڑسوار دستے نے انھیں گرفتار کر لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ یمامہ کا حاکم جس پر بعض صحابہ کے قتل کا بھی الزام ہے، قیدی کی حیثیت سے مسجد نبوی کے ستون سے بندھا ہوا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کسی طرح کی باز پرس نہیں کرتے، دو تین دن تک اس کا خوب خیال رکھا جاتا ہے۔ عندیہ معلوم کیے جانے پر جواب ہوتا ہے: اگر آپ مجھ پر احسان کریں تو میں اسے یاد رکھوں گا اور اگر آپ مال کے خواست گار ہیں تو بتایئے فراہم کر دیا جائے گا۔ اس دوران وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور صحابہ کے رویے کا قریب سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ تیسرے دن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی شرط اور معاوضے کے ثمامہ کی رہائی کا حکم جاری فرما دیتے ہیں۔ ثمامہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ جاتی ہیں۔ وہ آزاد ہوتے ہی جا کر غسل کرتے ہیں اور پھر کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور برملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں: "واللّٰہ ما کان علی الارض وجہٌ أبغض إليّ من وجهك" خدا کی قسم! روئے زمین پر میرے لیے آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ چہرہ کسی کا نہیں تھا۔" "فقد أصبح وجهك أحبّ الوجوه كلها" لیکن اب آپ کا چہرہ روئے زمین پر میرے لیے تمام چہروں سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔" (صحیح مسلم:۱۷۶۴/۵۹)

اس واقعے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام لانے کو بھی نہیں کہا گیا۔ اس کے باوجود ایسا سخت جانی دشمن بھی آپ کی کرم گستری اور وسعت قلبی کا مشاہدہ کر کے آپ کے جاں نثاروں میں شامل ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں ایسے دسیوں واقعات موجود ہیں۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کبھی تلوار کی دھمکی نہیں دی؛ بلکہ ہمیشہ اپنے اخلاق و کردار کو پیش کیا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

"فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" (یونس:۱۶)

''سو میں اس سے پہلے بھی ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں۔''

مطلب یہ ہے کہ میں ایک مدت تک تمہارے درمیان رہا ہوں، تم میرے سیرت وکردار سے واقف ہو؛ اس لیے تمہیں میری دعوت ضرور قبول کرلینی چاہیے۔

اور جب پہلی بار صفا پہاڑی پر چڑھ کر آپ نے قریش کو حق کی دعوت دی تو وہاں بھی آپ نے اپنے اخلاق وکردار کا حوالہ دے کر قریش سے پوچھا تھا کیا تم کو میری بات کا یقین آئے گا؟ تو اس پر سب نے بیک زبان کہا تھا: کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے، ہم نے آپ پر کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔

اشاعت اسلام کے ذرائع

یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار سے نہیں؛ بلکہ اس کے ذاتی محاسن وکمالات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وکردار سے ہوئی ہے اور تلوار اور جبر واکراہ کو کبھی اس کا ذریعہ نہیں بنایا گیا؛ البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعتِ اسلام میں چار ذرائع کو خصوصی اہمیت حاصل ہے:

(۱) دعوت، (۲) ہجرت، (۳) مصالحت، (۴) مکاتبت۔ ان میں اصل دعوت ہے، باقی تین اس کی مختلف شکلیں اور تتمہ ہیں۔

دعوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی دعوت الی اللہ سے عبارت ہے۔ یہ آپ کا فرض منصبی اور مقاصد بعثت میں سے ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" (المائدۃ:٦٧)

''اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجیے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانیت کے سب سے کامیاب داعی اور مبلغ گزرے ہیں؛ اس لیے کہ آپ کا طریقۂ دعوت وحکمت، موعظت اور مجادلۂ حسنہ پر مشتمل تھا جس کا قرآن کریم نے حکم دے رکھا ہے:

"ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِى هِىَ أَحْسَنُ" (النحل:۱۲۵)

''آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔''

حکمت کے یوں تو بہت سے معانی بیان ہوئے ہیں؛ مگر ابوحیان اندلسی کی یہ تعبیر عام طور پر قبول کی جاتی ہے کہ حکمت سے مراد ایسا کلام یا سلوک ہے جس میں اکراہ وزبردستی کا پہلو موجود نہ ہو، طبع انسانی اُسے فوراً قبول کرلے اور وہ عقل وقلب دونوں کو متاثر کرے۔ (البحر المحیط ۵/۵۳۰)

اسی طرح لوگوں کے مزاج، ان کی افتادِ طبع اور موقع محل کے مطابق کلام بھی حکمت میں داخل ہے، موعظۂ حسنہ کا مطلب ہے کہ مخاطب کی خیرخواہی کی بات اس طرح اس کے سامنے بیان کی جائے کہ وہ اس کے لیے قابل قبول ہو اور اس کا دل اس کے لیے نرم پڑ جائے۔

مجادلۂ حسنہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مخاطب کو مطمئن اور قائل کرنے کے لیے محبت، اعتماد، معقول دلیل اور حسن استدلال سے کام لیا جائے؛ چنانچہ مدینہ کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں سے مناظرہ اسی قبیل سے ہے۔

اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اسالیب دعوت کو اختیار کرتے ہوئے اصول تدریج کو بھی اپنایا ہے؛ چنانچہ مکہ کا انداز الگ ہے اور مدینہ کا انداز الگ ہے۔ اور ہمیشہ آپ نے دعوت میں نرم روی کو اپنایا ہے جس کی شہادت خود قرآن کریم دے رہا ہے:

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (آل عمران:۱۵۹)

''بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہوجاتے، سو آپ ان کو معاف کردیجیے اور آپ ان کے لیے استغفار کردیجیے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے۔''

اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ دعوت میں جو کہ اشاعت اسلام کا بنیادی ذریعہ ہے؛ کہیں تشدد، تندخوئی اور اکراہ وجبر کا عنصر ہرگز نظر نہیں آئے گا۔

ہجرت

ہجرت اسلام کی ترقی اور اس کی بنیادوں کے استحکام کا نقطۂ آغاز ہے۔ حبشہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو ایک گونہ اطمینان نصیب ہوا، اور مدینہ منورہ ہجرت کے بعد ایک نئی اسلامی مملکت کی تشکیل عمل میں آئی اور اشاعت اسلام کی نئی تاریخ رقم ہوئی؛ لیکن یہاں بھی جبر وسختی کا کوئی مطلب نہیں

ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان اصحاب کے ہمراہ ہجرت کی تھی جو انتہائی مظلوم ومقہور تھے اور انصار مدینہ جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیدہ ودل فرش راہ کررکھا تھا اور ہجرت کے بعد مسلمانوں کو پناہ اور ٹھکانہ دیا تھا، وہ بھی ہجرت سے قبل ہی آپ کی طاعت وغلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال چکے تھے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ رقم طراز ہیں:

''ہجرت کو اسلام کی اصلی شوکت وعظمت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں اسلام کی ترقی کا زمانہ اسی وقت سے شروع ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدا ہجرت سے کی گئی؛ لیکن ہمارے سابق بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی اسلام اصولاً مستحکم ومضبوط ہو چکا تھا، مکہ معظّمہ کے سب سے بڑے خاندانوں میں باوجود سخت سے سخت مزاحمتوں کے اسلام اپنا رنگ جما چکا تھا۔ مدینہ کے قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگ اس وقت مسلمان ہوئے جب کہ اہل مدینہ کے نزدیک اسلام سے بڑھ کر کوئی جرم نہ تھا؛ اسلام کی اشاعت کی رفتار (ہجرت کے بعد) بھی ویسی ہی تھی جو قبل از ہجرت نہایت مظلومی اور بے بسی کے زمانے میں تھی۔ اسلام جس قدر پھیلا انھیں خوبیوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور برگزیدہ تعلیم کی وجہ سے پھیلا۔ جس نے اسلام قبول کیا بہ طوع ورغبت قبول کیا۔ غالباً کوئی مخالف بھی کسی ایک تاریخی صحیح واقعہ کے حوالے سے ثابت نہ کرسکے گا کہ کسی ایک شخص کو بھی بہ زور مسلمان بنایا گیا ہو۔'' (اشاعت اسلام حصہ اول، ص ۴۷، ۵۳، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند)

مصالحت

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم جس مذہب کو لے کر آئے، وہ امن وسلامتی اور صلح وآشتی کا مذہب ہے۔ زندگی بھر آپ نے صلح کو ترجیحی بنیاد پر اختیار کیا، خود قرآن مقدس نے آپ کو حکم دے رکھا ہے کہ اگر فریق مخالف صلح کی پیش کش کرے تو آپ اللہ پر بھروسہ کرکے اس پیش کش کو قبول کرلیں۔

"وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" (الأنفال:۶۱)

''اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جایئے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

میدان کارزار میں مقابلے سے پہلے اسلام بہ صورتِ دیگر جزیہ کی پیش کش بھی اسی صلح پسند اسلامی روایت کا حصہ ہے جس کی رو سے مسلمان معمولی معاوضے کے عوض خون کے پیاسے جانی

دشمنوں کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار قرار پاتے ہیں۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ کا جو انتہائی اہمیت کا حامل واقعہ پیش آیا ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ وجدل سے کس قدر گریزاں تھے اور امن وسلامتی کی قیمت پر طاقت وقوت کے باوجود سخت شرائط کو بھی منظور فرمالیتے تھے۔

ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو اصحاب کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، لڑائی کا ارادہ بالکل نہیں تھا؛ لیکن قریش مرنے مارنے پر تیار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفیر قریش کے پاس بھیج کر واضح کر دیا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ قریش تھوڑی مدت کے لیے ہم سے صلح کا معاہدہ کرلیں۔ اس کے بعد بھی قریش لڑنے کے لیے ایک دستہ بھیجتے ہیں جس کو پکڑ لیا جاتا ہے؛ لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اسے معافی دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ قریش کی طرف سے کئی قاصد آتے ہیں؛ لیکن بات نہیں بنتی ہے۔ ادھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پھیل جاتی ہے جس سے مسلمانوں میں زبردست ہیجان اور جوش پیدا ہوجاتا ہے۔ اس ساری صورت حال کے بعد قریش صلح پر آمادہ ہوجاتے ہیں جس کی اہم دفعات یہ تھیں: فریقین میں دس سال تک لڑائی موقوف رہے گی۔ مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال تین دن کے لیے آئیں، تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور تلواریں بھی میان میں ہوں، جاتے وقت مکہ میں جو مسلمان رہ گئے ہیں ان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، قریش میں سے کوئی مسلمان ہوکر مدینے چلا جائے تو واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکے چلا آئے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

یہ شرطیں ظاہر ہے مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت ناگواری ہورہی تھی؛ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ بندی کی پیش کش کی تھی اور آپ ان سخت شرائط پر بھی رضامند ہوگئے تھے؛ اس لیے کس کو انکار کی جرأت ہوسکتی تھی۔ بعد میں یہی صلح مسلمانوں کے لیے بے حد فائدہ مند ثابت ہوئی، خود اللہ رب العزت نے اس کو ''فتح مبین'' قرار دیا۔ اس صلح کے نتیجے میں اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق مل گیا۔ جنگ بندی کے نتیجے میں کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور ان کی باتوں کو سننے اور اسلام کے روحانی انقلاب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس کے اندر مسلمانوں کی تعداد دوگنی ہوگئی۔

دیکھیے جنگوں سے نہیں؛ بلکہ صلح سے اسلام کو غیر معمولی اشاعت نصیب ہوئی۔ اس طرح صلح خود

اسلام کی ضرورت ہے۔

مکاتبت

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش کی طرف سے ایک گونہ اطمینان ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ بلاتفریق رنگ ونسل اور قوم ووطن پوری دنیائے انسانیت کے لیے ہادی اور مصلح بنا کر بھیجے گئے تھے؛ لہٰذا شاہانِ عالم تک دعوت حق پہنچانے کے لیے آپ نے خطوط روانہ کیے، حبشہ کے بادشاہ نے اسلام قبول کرلیا، شہنشاہ ایران نے غصے سے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور خائب وخاسر ہوا، شاہ مصر نے شائستگی سے جواب دیا؛ جب کہ شاہ روم ابوسفیان سے مکالمے کے بعد صداقت کا قائل ہونے کے باوجود سلطنت کے چھن جانے کے خوف سے قبول حق نہیں کرسکا۔ جب کہ کئی رؤسائے عرب نے بھی اسلام کا کلمہ پڑھ لیا۔ ''یہ وقت تھا کہ اسلام کی قوت خاص قبائل عرب میں بھی مستحکم نہ ہوئی تھی، اندرونی اور بیرونی دشمن پیچھے لگے ہوئے تھے، ایسی حالت میں زبردست بادشاہوں پر کیا اثر پڑسکتا تھا؟ کون سا عقل کا دشمن ہے جو یہ کہے کہ آپ نے شاہان دنیا سے قوت اور شوکت کی بنیاد پر مراسلت کی تھی، یا آپ کے پاس ایسا ظاہری ساز وسامان تھا جس کو دیکھ کر کسی بادشاہ پر رعب پڑتا؟ نہیں؛ بلکہ آپ کو حکم تھا کہ حق کا پیام سب کو پہنچادو، آپ نے اس حکم کی تعمیل کی اور سب کے پاس قریب قریب ایک ہی مضمون کے خط بھیج دیے، خطوط کا مضمون گو بالکل سادہ اور نہایت مختصر تھا؛ مگر اس کے اندر روحانی قوت مضمر تھی جس کی وجہ سے وہ قلوب جن کو حق وناحق کی تمیز اور صادق وکاذب کے ادراک کا مادہ تھا؛ بغیر مرعوب ومتاثر ہوئے نہیں رہ سکتے تھے۔'' (اشاعت اسلام ۱/۷۰)

بعض مخالفین کا اعتراف حقیقت

اب اس باب میں خود بعض مستشرقین وہندو مؤرخین کے اعترافات پر اس مضمون کو ختم کیا جارہا ہے: برطانوی مصنفہ کرن آرمسٹرانگ اپنی کتاب Muhammad western attempt to understanding Islam میں حقیقی صورت حال کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''محمد (ﷺ) ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار پر نہ تھی، مغربی پروپیگنڈے اور افسانہ کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے۔'' (دیکھیے کتاب مذکور کا ص ۲۶۶)

ارتھر گلیمن فتح مکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، انھوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹاڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ

سے اکھاڑ دیا۔'' (lihad.com)

بی ایس رندھاوا ہوشیار پوری لکھتے ہیں:

کوشش کی گئی ہے کہ پیغمبر اسلام کو ایک خون خوار اور بے رحم انسان دکھایا جائے اور خواہ مخواہ دوسروں کو ان سے نفرت دلائی جائے، اس کا بڑا سبب یہ ہوا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی لائف پر تنقید کرنے والوں نے اسلامی تاریخ اور بانی اسلام کی صحیح سیرت کا مطالعہ کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی؛ بلکہ سنی سنائی اور بے بنیاد باتوں کو سرمایہ بنا کر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ (رسالہ مولوی ربیع الاول ۱۳۵۱ء)

ایک اور ہندو مفکر راجندر نرائن نے لکھا ہے:

''سب سے جارحانہ پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اگر ایسا نہیں ہے تو دنیا میں متعدد مذاہب کے ہوتے ہوئے اسلام ہی معجزاتی طور پر دنیا بھر میں کیسے پھیل گیا؟ اس سوال یا شبہ کا مختصراً جواب یہ ہے کہ جس زمانے میں اسلام کے اس نئے ایڈیشن کی اشاعت ہوئی، سابقہ دھرموں کے بے کردار، پیروکاروں نے دھرم کو بھی بھرشت کر دیا تھا؛ اس لیے انسانی فلاح کی خاطر اللہ کی مرضی کے مطابق اسلام کامیاب ہوا اور دنیا بھر میں پھیلا، تاریخ اس کی گواہ ہے۔'' (سہ روزہ دعوت دہلی، ۲۸/جولائی ۲۰۰۳ء ،ص۲۰)

غرض یہ کہ یہ امر بالکل واضح ہے کہ محسن انسانیت ﷺ پر سخت گیری اور تلوار کے زور پر جہاں بانی کا الزام محض حقائق سے لاعلمی یا تعصب وعناد پر مبنی ہے۔ قرآن مقدس، دلائل عقلیہ اور تاریخی شواہد بہ جبر واکراہ کسی کو مسلمان بنانے کی سختی سے نفی کرتے ہیں۔ جہاد کا مقصد بھی شر وفساد کا خاتمہ، عدل وانصاف کا راج قائم کرنا، ہر شخص کو قبول حق کی آزادی فراہم کرنا اور اس راہ کے روڑے کو ہٹانا ہے۔ اشاعت اسلام کے لیے دعوت، مصالحت، ہجرت اور مکاتبت کی راہ اپنائی گئی ہے شمشیر خارا شگاف سے دلوں کو فتح نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں، پیغمبر اسلام ﷺ کے مکارم اخلاق، مطابق فطرت بلند پایہ تعلیمات، ہمدردی ومساوات اور اعلیٰ کردار سے پھیلا ہے۔ تلوار کے زور سے نہیں۔

"يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" (الصّف:۸)

''یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں؛ حالاں کہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں۔''

❁ ❁ ❁

تقوی

از: مولانا مفتی توقیر عالم قاسمی
سابق استاذ حدیث مدرسہ اشرف العلوم بردوان

تقوی کی تعریف

التقوٰی مِن الوقايةِ: وهي امتثالُ أوامرِه تعالى واجتنابُ نواهيه بفعلِ كلّ مأمورٍ به، وتركُ كلّ منهيّ عنه حسبَ الطاقةِ، مَن فَعَلَ ذلكَ فهو من المتقينَ۔ (دلیل الفالحین لطریق ریاض الصالحین: ۱/۲۵۰)

تقوی کہتے ہیں: اللہ تعالی کے اوامر کے امتثال کو بقدر استطاعت ہر حکم کی بجا آوری کے ذریعہ اور اللہ کے نواہی سے اجتناب کو بقدر استطاعت ہر اس چیز کو ترک کر کے جس سے اللہ تعالی نے منع کیا ہے۔ پس جس نے ایسا کیا وہ متقین میں سے ہے۔

قال عمر بن عبد العزيزؒ: ليس تقو ى اللّٰه بصيامِ النهارِ، ولا بقيامِ الليلِ، والتخليطِ فى ما بينَ ذلكَ، ولكنّ تقوٰى اللّٰهِ تركُ ماحرّم اللّٰهُ، وأداءُ ما افترضَ اللّٰهُ، فَمَنُ رُزِقَ بعدَ ذلكَ خيراً فهوَ خيرٌ الى الخيرِ۔ (الدر المنثور: ۱/۶۳۔ جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلیؒ: ۴۰۰)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا: اللہ کا تقوی دن میں روزہ رکھنے، رات میں عبادت کرنے اور رات و دن ریاضت و مجاہدہ کرنے سے نہیں ہے؛ بلکہ اللہ کا تقوی اس چیز کو چھوڑنا ہے جو اللہ نے حرام کیا ہے اور اس چیز کو ادا کرنا ہے جس کو اللہ نے فرض کیا ہے اور جس شخص کو اس کے بعد خیر اور بھلائی کی توفیق ملی تو وہ خیر ہی خیر ہے۔

قال ابنُ عمرؓ: التقوٰى أن لا ترى نفسَك خيرًا مِن أحدٍ۔ (تفسیر مظہری: ۱/۲۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: تقوی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو کسی سے بہتر اور افضل مت سمجھو۔

وقيل التقوى: الاقتداءُ بالنبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وأصحابِه۔ (تفسیر الخازن: ۱/۲۴)

ترجمہ: بعض علما نے کہا ہے کہ تقوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کی اقتدا کرنا ہے۔

التقوى: امتثالُ الأوامرِ واجتنابُ النواهي۔ (مرقاۃ:۴/۱۶۹۱)

ترجمہ: تقوی امتثالِ اوامر اور اجتنابِ نواہی کو کہتے ہیں، یعنی اللہ تعالی نے جن چیزوں کو کرنے کے لیے کہا ہے ان کو کرنا اور بجالانا اور جن کاموں سے روکا اور منع کیا ہے ان سے رک جانا اور ان کو نہ کرنا۔

اور کبھی تقوی کا استعمال اجتنابِ محرمات پر غالب آجاتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے تقوی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تم کبھی کانٹے والے راستے سے گزرے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: تم اس وقت کیا کرتے ہو؟ قال إذا رأيتُ الشوكَ عدلتُ عنه، أو جاوزتُه، أو قصرتُ عنه، قال: ذاك التقوىٰ۔ اس نے کہا جب میں کانٹا دیکھتا ہوں تو اس سے بچ کر نکل جاتا ہوں، یا راستہ بدل لیتا ہوں، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: یہی تقوی ہے (کہ محرمات سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرو، جس طرح تم اپنے آپ کو کانٹے سے بچاتے ہو)۔ (جامع العلوم والحکم:۴۰۲)

تقوی اللہ کے معنی

جب لفظ تقوی کی نسبت اللہ کی ذات کی جانب ہو جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں آیا ہے "اتقوا اللّٰه" تو اس کے معنی ہیں اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب سے ڈرو اور بچو، اور یہی وہ سب سے بڑی چیز ہے جس سے ڈرنا چاہیے؛ اس لیے کہ اللہ کے غضب وغصہ اور ناراضگی ہی سے اللہ کا دنیوی واخروی عذاب رونما ہوتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم:۱/۳۹۸)

متقی اور متقین کس کو کہتے ہیں؟

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: الذينَ يحذرونَ من اللّٰه عقوبتَه فى تركِ ما يعرفونَ من الهدٰى، ويرجونَ رحمتَه فى التصديقِ بما جاءَ به۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۱۵۳۔ تفسیر طبری:۱/۲۳۲)

ترجمہ: متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ سے اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس ہدایت کو چھوڑنے میں جس کو انہوں نے پہچانا اور اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اس چیز کی تصدیق میں جس کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے متقیوں کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: المتقونَ قومٌ اتقوا الشركَ وعبادةَ الأوثانِ، وأخلصُوا للّٰهِ العبادةَ، فمرّوا إلى الجنةِ۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۱۵۳،

سورۂ بقرہ آیت:۱)

ترجمہ: متقین وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرک اور بتوں کی عبادت سے اپنے آپ کو بچایا اور محفوظ رکھا اور اپنی عبادت کو اللہ کے لیے خالص کیا، پس وہ جنت پہنچ گئے۔

اور حضرت حسن بصریؒ نے متقین کا تعارف ان الفاظ سے کرایا ہے: المتقينَ: اتقوا ما حرّم اللّٰه عليهم، وأدّوا ما افترضَ عليهم۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۱۵۳،۱۵۴۔تفسیر طبری:۱/۲۳۲،۲۳۳)

ترجمہ: متقی وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں سے بچیں جو اللہ نے ان پر حرام کیا ہے اور اس چیز کو ادا کریں جو اللہ نے ان پر فرض کیا ہے۔

صاحب تفسیر مظہریؒ نے متقی کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: والمتقى من يقي نفسَه عما يضرّه فى الآخرةِ من الشركِ، وذلكَ أدناه، ومن المعاصي، وذلكَ أوسطُه، ومن الاشتغال بما لايعنيه، ويشغله عن ذكر اللّٰه تعالى، وذلكَ أعلاه، وهو المرادُ بقوله تعالى: حَقَّ تُقَاتِهِ۔ (۱/۲۳،۲۴)

ترجمہ: متقی وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو شرک سے بچائے جو آخرت میں اس کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ پھر تقوی کی تین قسمیں ہیں: (۱) شرک سے بچنا۔ اور یہ ادنی درجہ ہے۔ (۲) گناہوں سے بچنا ہے۔ اور یہ اوسط درجہ ہے۔ (۳) لایعنی باتوں اور چیزوں میں اشتغال سے بچنا اور ایسی چیز میں اشتغال سے بچنا اور احتراز کرنا جو آدمی کو اللہ کے ذکر سے غافل کردے۔ اور یہ تقوی کا سب سے اعلی درجہ ہے اور یہی مراد ہے اللہ تعالی کا قول: "حَقَّ تُقَاتِهِ" سے۔ یعنی اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اور ملا علی قاریؒ نے فرمایا: المتقي فى الشريعةِ: الذي يقي نفسَه تعاطي ما يستحقّ به العقوبةَ مِن فعلٍ أو تركٍ۔ (مرقاۃ:۳/۱۱۳۶، تحت رقم حدیث:۱۵۵۵)

ترجمہ: شریعت میں متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو اس چیز کے ارتکاب سے بچائے جس سے وہ عذاب وسزا کا مستحق ہوگا، خواہ اس کا تعلق عمل سے ہو جیسے شراب پینا، یا ترکِ عمل سے ہو جیسے غیبت نہ کرنا، سود نہ کھانا۔

اور حضرت شہر بن حوشبؒ نے فرمایا: المتقي الذى يتركُ ما لابأسَ به حذرًا عمّا به بأسٌ۔ (تفسیر مظہری:۱/۲۴)

ترجمہ: متقی وہ آدمی ہے جو اس چیز کو چھوڑ دے جس میں کوئی قباحت نہ ہو اس چیز سے بچنے کے

لیے جس میں کوئی قباحت ہو۔

اور تفسیر قرطبی میں ہے: المتقي الذي يتّقي بصالح عملِه وخالصِ دعائِه عذابَ اللّٰهِ تعالی۔(تفسیر قرطبی:۱/۱۶۱)

ترجمہ: متقی وہ شخص ہے جو اپنے نیک عمل اور خالص دعا کے ذریعہ اللہ تعالی کے عذاب سے بچے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: الحلالُ بيّنٌ والحرامُ بيّنٌ وبينهما أمورٌ مشتبهاتٌ لايعلمُها كثيرٌ من الناسِ، فمن اتَّقٰی الشبهاتِ اِستَبرَأ لِعرضِه ودينِه، ومَن وَقَعَ فی الشبهاتِ وقع فی الحرامِ۔ (مسلم ۱۰۷، ۱۰۸-۱۵۹۹۔ بخاری:۵۲۔ تفسیر مظہری:۱/۲۴)

یعنی بہت ساری چیزیں حلال ہیں اور ان کا حلال ہونا واضح ہے، اور بہت ساری چیزیں حرام ہیں جن کا حرام ہونا واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے معاملات ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں، جن کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ حرام ہے یا حلال، آپ نے فرمایا کہ جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنی عزت وآبرو اور دین کو پاک وصاف کرلیا اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں واقع ہوا تو وہ حرام میں بھی واقع ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا: المتقي: مَن إذَا قال: قال للّٰهِ، ومَن إذا عمِل عمِل للّٰهِ۔(تفسیر قرطبی:۱/۱۶۱)

ترجمہ: متقی وہ شخص ہے کہ جب بولے تو اللہ کے لیے بولے اور جب عمل کرے تو اللہ کے لیے عمل کرے، یعنی متقی کا ہر قول وعمل اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

اور ابوسلیمان دارانیؒ نے فرمایا: المتقونَ الذينَ نَزَعَ اللّٰهُ عن قلوبِهم الشهواتِ۔ (تفسیر قرطبی:۱/۱۶۱)

ترجمہ: متقی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں سے اللہ تعالی نے شہوتوں کو نکال دیا ہے۔

اور ملاعلی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکاۃ میں فرمایا: المتقونَ الذينَ يجتنبونَ الأفعالَ الدنيئةَ والأقوالَ الرديئةَ۔(مرقاۃ:۵/۱۹۰۱، تحت رقم حدیث:۱۵۵۵)

ترجمہ: متقی وہ لوگ ہیں جو گھٹیا افعال اور برے اقوال سے اجتناب واحتراز کریں۔

متقی کو متقی کیوں کہتے ہیں؟

قال الثوری: إنّما سمّوا المتقينَ لأنّهم اتقوا مايُتقی۔ وقال موسی بن أعين:

المتقونَ تنزّهوا عن أَشياءَ من الحلالِ مخافةَ أن يقعوا فی الحرامِ، فسمّاهم اللّٰهُ متقينَ۔ (جامع العلوم والحکم:۴۰۲)

ترجمہ: امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ متقیوں کا نام متقین اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ لوگ اس چیز سے بچے (تقوی اختیار کیا) جس سے ان کو بچنے کے لیے کہا گیا (تقوی اختیار کرنے کے لیے کہا گیا)۔ اور موسی بن اعینؒ نے فرمایا کہ متقی لوگ بہت سی حلال چیزوں سے بچتے ہیں اس ڈر سے کہ حرام میں واقع نہ ہوں؛ اس لیے اللہ نے ان کا نام متقین رکھا۔

متقی ہونے کی علامتیں

حضرت مالک بن انسؒ، وہب بن کیسان کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے عبداللہ بن زبیرؓ کو نصیحت لکھ کر بھیجی، جس کا مضمون یہ تھا: أما بعد! فإنّ لأهلِ التقوٰی علاماتٌ يُعرفون بها، ويَعرفونها من أنفسهم، مَن صبر علی البلاءِ، ورضِي بالقضاءِ، وشَكَرَ النعماءَ، وذلّ لحكمِ القرآنِ۔ (الدرالمنثور:۱/۶۲)

ترجمہ: بعد حمد وصلاۃ! بے شک اہلِ تقوی کی کچھ علامتیں اور نشانیاں ہیں، جن کے ذریعہ وہ پہچانے جاتے ہیں، اور جن کے ذریعہ خود اہلِ تقوی اپنے اندر تقوی کو پہچان پائیں گے۔ (۱) جو شخص بلا اور مصیبت پر صبر کرے (۲) اللہ کا فیصلہ اور نوشتۂ تقدیر پر راضی رہے (۳) نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرے (۴) اور قرآن کے حکم کے سامنے سرنگوں ہوجائے اور اس پر عمل کرے۔

وعن ابنِ المباركِ، قال داؤدُ لابنه سليمانَ عليه السلامُ: يا بُنَيّ! إنّما تستدلّ علی تقوٰی الرجلِ بثلاثةِ أشياءَ، لِحسنِ توكّله علی اللّٰه فيما نَابَه، ولِحسنِ رضاه فيما أتاه، ولِحسنِ زهدِه فيما فَاتَه۔ (الدرالمنثور:۱/۶۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! آدمی کے تقوی پر تین چیزوں کے ذریعہ استدلال کیا جاتا ہے یعنی جس آدمی میں تین علامتیں پائی جائیں اس کو متقی کہا جائے گا: (۱) جو چیز (یعنی حادثات اور واقعات) اس کو پیش آئے اس بارے میں اللہ پر اچھی طرح توکل کرے (۲) اللہ نے جو کچھ اس کو عطا کیا ہے اس پر اچھی طرح راضی رہے (۳) اور جو چیز اس سے فوت ہوجائے اس میں اچھی طرح زہد اختیار کرے، اس سے بے رغبتی ظاہر کرے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی تقوی کی لگام کو مظبوطی سے تھامے گا اس کا فائدہ اور اس کی

غایت یہ ہوگی کہ وہ اپنے اعضاء وجوارح کو شہوتوں کے ارتکاب سے روکے گا، پس وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھے گا اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے گا۔ (احیاء العلوم: ۲/ ۲۸)

متقیوں کی صفات قرآن میں

قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اللہ تبارک وتعالی نے متقیوں کی صفات کو ذکر فرمایا ہے، ہم اپنی جستجو کے مطابق کچھ آیتیں ذکر کرتے ہیں:

(۱) سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۲، ۳، ۴، میں متقیوں کے حسب ذیل اوصاف مذکور ہیں:

متقین وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، ہمیشہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اللہ کے عطا کردہ مال میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس سے پہلے نبیوں پر جو کچھ نازل ہوا اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ آخرت کو یقینی جانتے ہیں۔

(۲) سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۱۷۷، میں متقیوں کے حسب ذیل اوصاف مذکور ہیں:

متقین وہ ہیں جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں، کتابوں، اور نبیوں پر ایمان لائیں، اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو مال دیں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں مال خرچ کریں، نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں، جب کسی سے عہد کریں تو عہد کو پورا کریں، سختی میں، تکلیف میں، اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہوں۔ مذکورہ اوصاف ہیں صادقین اور متقین کے۔

(۳) سورۂ آل عمران آیت نمبر: ۱۳۴، ۱۳۵، میں متقیوں کے حسب ذیل اوصاف مذکور ہیں:

متقین وہ ہیں جو مال خرچ کرتے ہیں خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی، غصہ کو دبا لیتے اور پی جاتے ہیں، لوگوں کو معاف کرتے ہیں، جب کوئی کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں، یا کوئی برائی کرکے اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں اور اپنے کیے ہوئے اعمالِ بد پر اصرار نہیں کرتے، اڑتے نہیں ہیں۔

(۴) سورۂ نازعات آیت نمبر: ۴۰، ۴۱، میں متقیوں کے حسب ذیل اوصاف مذکور ہیں:

متقی وہ ہے جو قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور اپنے نفس کو خواہش سے روکے۔

(۵) سورۂ اللیل آیت نمبر: ۱۷، ۲۱، میں متقی کا یہ وصف مذکور ہے:

سب سے بڑے متقی کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنا مال صدقہ وخیرات کرتا ہے؛ تاکہ نفس

رذیلۂ بخل وطمع سے پاک ہوجائے۔

(۶) سورۂ زمر آیت نمبر:۳۳، میں متقیوں کے دو وصف بیان ہوئے ہیں:

سچی بات لے کر آئیں اور ہمیشہ سچ کہیں اور اس کی تصدیق کریں۔

(۷) سورۂ الذاریات آیت نمبر:۱۵-۱۹، میں متقیں کے درج ذیل اوصاف مذکور ہیں: متقی وہ ہیں جو اپنے رب کے دیے ہوئے مال اور نعمتوں کو خوشی خوشی قبول کرتے ہیں۔ نیکی کا کام کرتے ہیں۔ رات کو بہت کم سوتے ہیں؛ بلکہ رات کا اکثر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارتے ہیں اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی ہے تو اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہیں۔ سائلوں اور محتاجوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

(۸) سورۂ اعراف آیت نمبر:۲۰۱، میں متقیوں کی یہ صفت بیان ہوئی ہے:

متقین پر جب شیطان کا گذر ہوتا ہے اور ان سے کوئی کوتاہی اور برائی ہوجاتی ہے تو وہ غفلت میں پڑے ہوئے نہیں ہوتے؛ بلکہ فوراً اللہ کو یاد کرکے چونک اٹھتے ہیں اور بہت جلد نازیبا کام سے رک جاتے ہیں، جب کہ غیر متقی میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ہے۔

متقی کو آلِ محمد ہونے کی بشارت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کون محمد کی آل ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم نے مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا کہ تم سے پہلے مسلمانوں نے اس بارے میں سوال نہیں کیا ہے، لہٰذا سنو! "آلُ محمدٍ کلُّ تقيٍّ"۔ محمد کی آل ہر متقی ہے۔ (بحر الفوائد المسمٰی بمعانی الأخبار:۱/۳۰۶)

متقین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ گھر سے باہر نکلے اور رخصت کرتے ہوئے بالکل اخیر میں ان سے فرمایا: ''إنّ أولى الناسِ بي المتقونَ مَن كانُوا، وحيثُ كانُوا"۔ قیامت کے دن یا جنت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب متقین ہوں گے، جو بھی ہوں اور جس جگہ کے بھی ہوں۔ (مسند أحمد حدیث نمبر:۲۲۰۵۲)

اور حکم بن بیناؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''يا معشرَ قريشٍ! اعلموا أنّ أولَى الناسِ بي المتقونَ"۔ اے جماعتِ قریش! جان لو کہ مجھ سے سب سے زیادہ

قریب متقین ہوں گے۔ (الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم حدیث:۲۷۷۸)

اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنّما أولیائي المتقونَ۔ بے شک میرے دوست اور ناصر و مددگار متقین ہیں۔ (ابوداؤد حدیث نمبر:۴۲۴۲)

متقیوں کو بشارت

حضرت قتادہؒ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالی نے جنت کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: بات کرو! جنت نے کہا: "طوبٰی للمتقینَ" متقیوں کے لیے خوش خبری ہے۔

اور مالک بن دینارؒ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: "القیامۃُ عرسُ المتّقینَ"۔ قیامت متقیوں کی دلہن ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے متقیوں کو اپنی کتاب قرآن کریم میں بہت سے انعامات اور خصوصیات سے نوازا اور شرف بخشا ہے: جیسے اللہ تبارک وتعالی نے ان کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے، دشمنوں سے حفاظت اور نصرت ومدد کا وعدہ کیا ہے، شدائد وتکالیف سے نجات اور رزقِ حلال کا وعدہ کیا ہے، اصلاحِ اعمال، مغفرتِ ذنوب، قبولیت، عنداللہ اکرام واعزاز، جہنم کی آگ سے نجات، اور جنت میں ہمیشہ کے لیے قیام کی بشارت سنائی ہے، سب سے بڑی چیز اپنی محبت کا مژدہ سنایا ہے، نیز یوم آخرت میں خوف وحزن نہ ہونے اور دنیا وآخرت میں فوز وفلاح اور عظیم کامیابی سے نوازا ہے۔ (دلیل الفالحین لطریق ریاض الحالحین:۱/۲۵۰)

تقوی کے اقسام

تقوی کی تین قسمیں اور درجے ہیں:

تفسیر بیضاوی میں ہے: للتقوٰی ثلاثُ مراتبَ، الأولی التوقّي من العذابِ المخلدِ بالتبرّي من الشركِ، وعلیه قولُه تعالی: وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی۔ الثانیة: التجنّبُ عن كلّ ما یؤثمُ من فعلٍ أو تركٍ حتی الصغائرعند قومٍ، وهو المتعارفُ باسم التقوٰی، وهو المعنی بقوله تعالی: وَلَوْأَنَّ أَهْلَ الْقُرٰی آمَنُوْا وَ اتَّقَوْا، والثالثةُ: أن یتنزّه عمّا یشغلُ سِرَّه عن الحقّ، ویتبتّل بشراشرِه، وهو التقوٰی الحقیقِي المطلوبُ بقوله: "یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ"۔ (۱/۳۶)

تقوی کے تین درجے اور قسمیں ہیں: (۱) شرک سے برأت ظاہر کرکے دائمی عذاب سے بچنا

اورنجات پانا۔اللہ تعالی کا قول: "وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى"اوراللہ نے ان مومنوں کو پرہیزگاری کی بات یعنی تقوی پر قائم رکھا۔ اسی معنی پرمحمول ہے۔(۲) ہرقسم کے گناہ سے بچنا یہاں تک کہ بعض لوگوں کی رائے کے مطابق صغائر سے بھی احتراز کرنا، چاہےان کا تعلق عمل سے ہو(جیسے شارب پینا، سودکھانا) یاترکِ عمل سے ہو(جیسے غیبت نہ کرنا، رشوت نہ لینا)۔اورعرف میں اسی کوتقوی کہتے ہیں اوریہی معنی ہیں اللہ تعالی کےاس قول کے:"وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوْاوَاتَّقَوْا"۔اوراگران بستیوں کےلوگ ایمان لےآتے اور پرہیزگار ہوجاتے (۳)اورتیسرے درجے کا تقوی یہ ہے کہ بچے اس چیز سے جواس کے باطن کوحق (اللہ) سے غافل کردے اوراپنے نفس اور پورے جسم کے ساتھ دنیا سے بےرغبت وبےتعلق ہوکراللہ کی طرف متوجہ ہوجائے۔اوریہی حقیقی تقوی ہے، جواللہ تعالی کے اس قول سےمطلوب ہے:''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ"۔ یعنی اےمومنو!اللہ سے ڈروجیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اورتفسیر راغب اصفہانی میں ہے:

ولها (للتقوى) منازلُ، الأول تركُ المحظورِ، والثانى أن يتعاطٰى الخيرَ مِن تجنّب الشرّ، والثالثُ: التبرّؤ مِن كلّ شيءٍ سِوى اللّٰه عزّ وجلّ، فلاسكونَ إلى النفسِ ولا إلى شيءٍ مِن القنياتِ والجاهِ والأعراضِ، وهو المعنى بقوله: اِتَّقُوااللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔(۱/۷۷،۸۸)

ترجمہ:تقوی کے چند درجے ہیں:(۱)ممنوع اورحرام چیزوں کوچھوڑ دینا۔(۲) شراور برائی سے بچتا ہوا کارخیر میں مشغول رہنا۔(۳)اللہ تبارک وتعالی کےسوا ہر چیز سے برأت ظاہر کرنا، پس نفس کوسکون حاصل نہ ہو، نہ مال ومویشی سےاور نہ جاہ ومنصب سے۔اللہ تعالی کا قول: "اتقوا اللّٰه حق تقاته" کے یہی معنی ہیں۔یعنی اللہ سےڈروجیسا کہ اس سےڈرنے کا حق ہے۔

اورمرقاۃ میں ہے: التقوٰى وله مراتبُ: أدناها التقوٰى عن الشركِ الجلي، وأوسطُها عن المعاصي والمناهي والملاهي، وعن الشركِ الخفي، وهو الرياءُ والسُمعةُ فى الطاعةِ، وأعلاها أن يكونَ دائمَ الحضورِ من اللّٰه غائباً عن حضورِ مَا سِواه، وإليه الأشارةُ فيما رُوِيَ عنه صلّى اللّٰه عليه وسلم: "مافضّلكم أبوبكرٍ بفضلِ صومٍ ولا صلاةٍ، ولكِن بشئ وَقَرَ في قلبه"۔ ذكره الغزالىؒ۔(۸/۳۲۵۵)

ترجمہ:تقوی کے چند درجے ہیں:(۱) شرک جلی سے بچنا اور یہ ادنی درجہ ہے(۲) معاصی، منہیات اورلہوولعب اورفضولیات سے بچنا ہےاور یہ اوسط درجہ ہے(۳) ہمیشہ اللہ کےحضور(یاد)

میں مستغرق رہنا اور غیر اللہ کے حضور (یاد) سے غائب رہنا اور یہ اعلیٰ درجے کا تقوی ہے۔اور اسی کی طرف اشارہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کی اس حدیث میں، جو آپ نے حصرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے:''ابوبکر کو تمہارے اوپر فضیلت روزہ ونماز کی زیادتی کی وجہ سے نہیں ہے؛ لیکن ان کو جو فضیلت ہے اس چیز (تقوی،خوفِ خدا، یادِ الٰہی) کی وجہ سے ہے، جو ان کے دل میں بیٹھی ہوئی ہے''۔اس بات کو امام غزالیؒ نے ذکر کیا ہے۔

اور مرقاۃ میں ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ تقوی کے چند درجے ہیں: (۱) شرک جلی اور شرک خفی کو ترک کرنا، چھوڑنا (۲) تمام صغائر وکبائر گناہ سے اجتناب واحتراز کرنا اور بچنا (۳) جس چیز کے حلال وحرام ہونے میں شبہ ہو اس سے بچنا اور مباح چیزوں میں تورع واحتیاط اختیار کرنا (۴) شہوتوں اور خواہشاتِ نفس سے پرہیز کرنا (۵) اور دل سے غیر اللہ کی یاد اور حضور کو خالی کردینا۔اور تقوی ان تمام اقسام کے ساتھ اصحابِ کمال کی علامتوں میں سے ہے۔(۳۰۵۲/۷،تحت حدیث رقم:۴۸۶۶)

کامل اور اعلیٰ درجے کا تقوی:

صاحب جامع العلوم والحکم تحریر فرماتے ہیں:"ویدخل فيا لتقوٰی الکاملةِ فعلُ الواجباتِ وتركُ المحرماتِ والشبهاتِ وتركُ المكروهاتِ، وربما يدخلُ فيها فعلُ المندوباتِ وتركُ المكروهاتِ،وهی أعلٰی درجاتِ التقوٰی"۔ (۳۹۹)

ترجمہ: کامل تقوی میں فرائض وواجبات پر عمل اور محرمات ومشتبہ چیزوں کا ترک کرنا داخل ہے، اور کبھی اس میں مستحبات پر عمل اور مکروہات کا ترک کرنا داخل ہوتا ہے اور یہ تقوی کے درجات میں سے اعلیٰ درجے کا تقوی ہے۔

فضیلتِ تقوی

تقوی تمام خیر اور بھلائی کو جامع ہے، اولین وآخرین میں اللہ کی وصیت ہے اور انسان جو کچھ کسب کرتا ہے اور حاصل کرتا ہے تقوی ان میں سب سے بہتر ہے جیسا کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا، جب ان سے کسی نے کہا کہ آپ کے ساتھی شعر کہتے ہیں اور آپ سے کبھی کوئی شعر نہیں سنا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا:

يُرِيْدُ المرأُ أَنْ يُؤتٰی مُنَاه   و يَأْبٰی اللّٰهُ إلَّا مَا أَرَادَا
يقولُ المرأُ فائدتِي ومالِي   وتقوٰی اللّٰهِ أَ فُضَلُ مَا اسْتَفَادَا

ترجمہ: آدمی چاہتا ہے کہ اس کا مقصد اور اس کی مراد حاصل ہوجائے اور حال یہ ہے کہ اللہ انکار

کرتا ہے؛ مگر وہ جس چیز کا ارادہ کرے۔

آدمی کہتا ہے میرا فائدہ اور میرا مال؛ حالاں کہ اللہ کا تقوی انسان کی حاصل کردہ چیز میں سب سے افضل ہے۔

اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ مومن جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے ان میں سب سے افضل وبہتر ''اللہ کا تقوی'' ہے اور اس کے بعد نیک بیوی ہے۔(ابن ماجہ حدیث نمبر:۱۸۵۷)

قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں تقوی کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ان میں سے چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱)وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَالزَّادِ التَّقْوٰى، وَاتَّقُوْنِ يَاأُولِى الْأَلْبَابِ۔(البقرہ:۱۹۷)

ترجمہ:اور زادِراہ لے لیا کرو،اور بہترین زادِراہ تو تقوی ہے،اے اہل فہم! میرا ہی تقوی اختیار کیے رہو۔

اللہ تبارک وتعالی نے یہ بتایا ہے کہ بہترین توشہ منہیات سے بچنا ہے؛ اس لیے اللہ تعالی نے لوگوں کو حکم دیا کہ دنیاوی توشہ کے ساتھ اخروی توشہ یعنی تقوی کو بھی ملالو۔عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ آخرت کا بہترین توشہ تقوی ہے۔(تفسیر قرطبی:۴۱۲/۲،ابن کثیر:۸۴۵/۱)

اور البحر المحیط میں ہے کہ سفرِ آخرت کا توشہ تقوی ہے،اس آیت میں اللہ تعالی نے اسی کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔(البحر المحیط:۲۹۱/۲)

(۲)يَا بَنِىْ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشاً، وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ (الأعراف:۲۶)

ترجمہ:اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے(جو) تمہارے پردہ والے بدن کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقوی کا لباس اس سے بھی بڑھ کر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے؛ تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔

یعنی وہ دین داری کا معنوی لباس؛ ظاہری لباس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے۔(تفسیر ماجدی)

(۳)وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاتَّقُوْااللّٰهَ، إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔(المائدہ:۲)

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوی میں کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

یعنی خشیتِ الٰہی ہی وہ چیز ہے جو ہر مجاہدہ کو آسان اور ہر پابندی کو آسان بنا سکتی ہے۔

(۴) يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَاتَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ، وَتَنَاجَوْا بِالبِرِّ وَالتَّقْوٰى، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔(المجادلۃ:۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی سے سرگوشی کرو تو سرگوشی گناہ اور زیادتی اور نافرمانی رسول کی نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔

(۵) لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَادِمَائُهَاوَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔(الحج:۳۷)

ترجمہ: اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون؛ البتہ اس کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے۔

یعنی اجر تو تمہارے اخلاص ونیتِ تقرب پر ملتا ہے اور جس درجہ نیت اخلاص کا ثبوت دو گے اسی درجہ کا تمہارا تقوی ثابت ہوگا۔(تفسیر ماجدی:۳۶۹/۴)

(۶) هُوَأَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ۔(المدثر:۶۵)

ترجمہ: وہی ہے ڈرنے کے قابل اور وہی ہے مغفرت والا۔

یعنی تقوی بھی صرف اسی سے اختیار کرنا چاہیے اور مغفرت بھی صرف وہی کرسکتا ہے، دوسروں سے خوف یا طمع دونوں لاحاصل ہیں۔(تفسیر ماجدی:۳۸۹/۸)

(۷) أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوٰى۔(العلق:۱۱،۱۲)

ترجمہ: کیا تو نے دیکھا کہ وہ (بندہ) اگر چہ حق پر ہو، یا تقوی کی ہدایت کر رہا ہو۔

(۸) وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْاأَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا، وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً۔ (الفتح:۲۶)

ترجمہ: اور (اللہ) انہیں تقوی کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی اور اللہ تو ہر شئ کا خیال رکھتا ہے۔

فضیلت تقوی پر چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے ارشاد فرمایا: ''علیكَ بتقوى اللّٰهِ ؛ فإنّها جماعُ كلّ خيرٍ''۔ اللہ کے تقوی کو لازم پکڑلو، اس لیے کہ یہ ہر خیر اور بھلائی کو جامع ہے۔(مسند أبو یعلی موصلی حدیث نمبر:۱۰۰۰۔ المعجم الکبیر للطبرانی حدیث:۹۴۹)

(۲) حضرت یزید بن سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا؟ یارسول اللہ! میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں اور مجھے خوف اور ڈر ہے کہ اس کا آخر اس کے اول کو مجھے بھلادے (سب حدیثیں مجھے یاد نہ رہیں اور میں بھول جاؤں) لہٰذا مجھے کوئی ایسی بات اور کلمہ بیان فرمادیں جو جامع ہو؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اِتَّقِ اللّٰہَ فیما تعلمُ"۔ اللہ سے ڈرو! اس چیز میں جس کو تم جانتے ہو اور جس کا تم کو علم ہے۔ (ترمذی حدیث نمبر: ۲۶۸۳، حدیث مرسل)

(۳) حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں فرماتے ہوئے سنا، آپ فرمارہے تھے: اتقوا اللّٰہ ربَکم، وصلّوا خمسَکم، وصومُوا شھرَکم، وأدّوا زکاۃَ أموالِکم، وأطیعُوا ذا أمرِکم، تدخلُوا جنّۃَ ربِّکمُ۔ اپنے رب اللہ سے ڈرو، پانچوں نمازیں پڑھو، رمضان مہینے کا روزہ رکھو، اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرو، اور اپنے حاکم اور بادشاہ کی اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔ (ترمذی حدیث نمبر: ۶۱۶)

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ثلاثٌ مُنجیاتٌ وثلاثٌ مھلکاتٌ، أمّا المنجیاتُ فتقوٰی اللّٰہ فی السرِّ والعلانیۃِ، والقولُ بالحق بالرضاء والسخطِ، والقصدُ فی الغناءِ والفقرِ، وأمّا المھلکاتُ فھوٰی مُتَّبَعٌ، وشُحٌّ مُطاعٌ، وإعجابُ المرأ بنفسه، وھي أشدّھنَّ۔ (شعب الإیمان للبیہقی حدیث نمبر: ۶۸۶۵)

ترجمہ: تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، بہرحال نجات دلانے والی تین چیزیں یہ ہیں: (۱) اللہ کا خوف، تقوی اور ڈر باطن میں بھی اور ظاہر میں بھی یعنی تنہائی میں بھی اور سب کے سامنے بھی (۲) حق بات کہنا' رضامندی میں اور ناراضگی میں (۳) اور مال کے خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا' مال داری اور مفلسی میں۔ اور تین ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: (۱) ایسی خواہش جس کی اتباع اور پیروی کی جائے (۲) ایسا بخل جس کی اطاعت کی جائے (۳) اور آدمی کی خود پسندی اور خود بینی، اور یہ ان تینوں میں سب سے زیادہ سخت اور خطرناک ہے (یہ ان میں سب سے بڑا گناہ ہے اور سب سے زیادہ نقصان دہ ہے)۔

(۵) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرمارہے تھے:

یاأیھا الناسُ اتخذوا تقوی اللّٰہ تجارۃً یأتیکم اللّٰہُ الرزقَ بلابضاعۃٍ وتجارۃٍ، ثمّ قرأ: "وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً، وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ"۔ (المعجم الکبیر

للطبرانی حدیث نمبر:۱۹۰)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ کے تقوی کو تجارت بنالو، (یعنی اس کو ہر وقت لازم پکڑلو) تمہارے پاس بغیر پونجی وسرمایہ اور بغیر تجارت کے رزق آئے گا۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالی اس کے لیے کشائش پیدا کردیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اسے گمان بھی نہیں ہوتا''۔

(۶) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ "هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ"۔ کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: أنا أهلٌ أن أُتَّقٰى، فمن اتَّقَانی فلم يجعلْ معي إلٰهاً فأنا أهلٌ أنْ اغفِرَله۔ میں ہی اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، پس جو شخص مجھ سے ڈرا اور اس نے میرے ساتھ کسی معبود کو شریک نہیں کیا تو میں اہل ہوں اور میری شان یہ ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں۔ (ترمذی حدیث نمبر: ۳۳۲۸۔ ابن ماجہ حدیث نمبر:۴۲۹۹)

(۷) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! وہ کون سی چیز ہے جس سے سب سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "تقوى اللّٰهِ وحسنُ الخلقِ" اللہ کا تقوی اور اچھے اخلاق۔ (مسند أحمد:۹۶۹۶۔ مسند أبوداؤد الطیالسی حدیث نمبر:۲۵۹۶)

(۸) امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا: أيها الناسُ! اتقوا اللّٰهَ؛ فإنّ تقوٰى اللّٰهِ غُنْمٌ۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو؛ اس لیے کہ اللہ کا تقوی بہت بڑی غنیمت ہے۔ (المجالسۃ وجواہر العلم، رقم:۱۲۹۲)

(۹) حضرت سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

يا بُنَيَّ! إنَّ الدنيا بحرٌ عميقٌ،قد غَرِقَ فيها ناسٌ كثيرٌ، فلتكن سفينتُك فيها تقوٰى اللّٰهِ، وحشوُها إيماناً باللّٰهِ عزّ وجلّ، وشراعها التوكّلُ على اللّٰه، لعلّك ناجٍ، ولا أراكَ ناجياً۔ (الزہد والرقاق لابن مبارک، ص:۲۵۷۔ الدعا للطبرانی رقم:۱۷۳۷)

ترجمہ: اے بیٹا! بے شک دنیا ایک گہرا سمندر ہے، اس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے؛ لہٰذا اس میں تمہاری کشتی ''اللہ کا تقوی'' ہونا چاہیے اور اس کا بھراؤ ''اللہ تبارک وتعالی پر ایمان'' سے ہونا

چاہیے اور اس کشتی کا بادبان ''اللہ پر توکل'' ہونا چاہیے، تو شاید کہ تم نجات پالو، اور میں نہیں سمجھتا کہ تم نجات پاسکو گے۔

افضلیت کا مدار تقوی پر

بلاشبہ اللہ تعالی کے نزدیک افضلیت و بہتری اور مقبولیت ومحبوبیت کا دار ومدار تقوی پر ہے، فرمان باری تعالی ہے:

يَا أَيُّهَاالنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى، وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا؛ تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، پورا خبردار ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے حدیث میں بالکل صراحت کے ساتھ واضح فرمایا ہے کہ تقوی، اللہ کا خوف اور پرہیزگاری ہی اللہ کے نزدیک مقبولیت اور محبوبیت کا سبب ہے، درج ذیل دو حدیثیں پڑھئے:

(۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کسی نے پوچھا: ''يَا رسولَ اللّٰه! مَنْ أكرمُ الناسِ''؟ لوگوں میں سب سے افضل اور بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''أَتْقَاهُمْ''۔ ان میں سے جو شخص سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ (بخاری حدیث نمبر: ۳۳۵۳۔ مسلم حدیث: ۱۶۸-۲۳۷۸)

(۲) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اُنْظُرْ! لَسْتَ بخيرٍ مِنْ أحمرَ ولا أسودَ إلاّ أن تفضُلَه بتقوى۔ (مسند أحمد حدیث نمبر: ۲۱۴۰۷)

دیکھو! تم کو کسی گورے یا کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے؛ مگر یہ کہ تم کو کسی پر فضیلت ہے تو وہ تقوی کی وجہ سے ہے۔

تقوی بہترین زادِ سفر

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے زادِ راہ اور توشہ عنایت فرمادیجیے؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ''زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوَى''۔ اللہ تعالی تم کو تقوے کا توشہ عطا کرے۔ (ترمذی حدیث

نمبر:۳۴۴۴)

یعنی اللہ تعالی تم کومخلوق سے استغناء اور امتثالِ اوامر و اجتناب ِنواہی کا توشہ عطا کرے۔ (مرقاۃ:۱۶۱۹/۴)

اللہ سے ڈرو جہاں بھی رہو

حضرت معاذ بن جبلؓ اورحضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو جہاں بھی رہو، گناہ کے بعد نیکی کرو، نیکی گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ اتقِ اللّٰهَ حيثُ مَا كنتَ، واتّبِعُ السيّئةَ الحسنةَ، وخَالِقِ النَّاسَ بخُلقٍ حسنٍ۔(ترمذی حدیث:۱۹۸۷۔شعب الأیمان للبیہقی حدیث:۷٦٦۰)

وصیت ِتقوی

تقوی تمام مخلوق کے لیے اللہ کی وصیت ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے لیے وصیت ہے،آپ علیہ الصلاۃ والسلام جب کسی لشکر کو جنگ کے لیے بھیجتے تو امیر لشکر کوتقوی کی وصیت ونصیحت فرماتے،آپ نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن خطبہ دیا تو لوگوں کو''تقوی اللہ'' کی وصیت فرمائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں تقوی کی وصیت ونصیحت اور تاکید فرمائی ہے،ہم چند حدیثیں نکل کرتے ہیں:

(۱) عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں وصیت فرمادیجیے؟ آپ نے فرمایا:''أُوصِيُكُم بتقوى اللّٰهِ والسمعِ والطاعةِ، وإن كانَ عبداً حبشياً''۔ میں تم کو''اللہ کے تقوی'' کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ امیر وحاکم وقت کی اطاعت کرنا اگر چہ وہ حبشی (کالا کلوٹا) غلام ہی کیوں نہ ہو۔(مسند أحمد حدیث:۱۷۱۴۴، ابوداؤد حدیث:۴٦۰۷،ترمذی حدیث:۲٦۷٦)

یعنی میں تم کو اللہ کے حکم کی مخالفت اور معصیت سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔اور یہ جوامع الکلم میں سے ہے؛اس لیے کہ تقوی امتثال مأ مورات اور اجتناب منہیات کو کہتے ہیں اورتقوی زادِ آخرت ہے، عذابِ ابدی سے بچانے والا ہے،تم کو دار السرور یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے اوررب ذوالجلال کی بارگاہ تک تمہارے پہنچنے کا موجب اورسبب ہے۔(مرقاۃ:۲۵۱/۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا:''أوصيكَ بتقوى اللّٰه والتكبيرِ على كلِّ شَرَفٍ''۔ میں تم سب کو''اللہ کے

تقوی'' کی وصیت کرتا ہوں اور ہر اونچے مقام پر چڑھتے وقت ''اللہ اکبر کہنے'' کی وصیت کرتا ہوں۔ (ابن ماجہ حدیث:۲۷۷۱)

(۳) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے وصیت کردیجیے؟ آپ نے فرمایا: ''أوصيتك بتقوى الله، عزّ وجلّ؛ فإنّه أزينُ لأمرِكَ كلِّه''۔ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں؛ اس لیے کہ یہ تمہاری تمام چیزوں کے لیے خوب صورتی ہے۔ (شعب الإیمان للبیہقی حدیث:۴۵۹۲)

(۴) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے وصیت کردیجیے؟ تو آپ نے فرمایا: ''عليك بتقوى الله ما استطعتَ، واذكُر عند كلِّ حجرٍ وشجرٍ، وماعملتَ من سوءٍ فأَحدِثْ فيه لله توبةً، السرَّ بالسرِّ، والعلانيةَ بالعلانيةِ''۔

ترجمہ: تم حتی الوسع اللہ کے تقوے کو لازم پکڑو، ہر پتھر اور درخت کے پاس (ہر جگہ) اللہ کا ذکر کرو اور جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو اس سے اللہ کے لیے توبہ کرو، اگر گناہ چھپ کر ہوا ہے تو چھپ کر توبہ کرو اور اگر گناہ علانیہ ہوا ہے تو علانیہ سب کے سامنے توبہ کا اظہار کرو۔ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر:۳۳۱)

(۵) حصرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں، لہٰذا مجھے وصیت کردیجیے؟ آپ نے فرمایا: ''عليك بتقوى الله، والتكبيرِ على كلِّ شَرَفٍ''۔ اللہ کے تقوی کو لازم پکڑو اور ہر اونچے مقام پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہو۔ (ترمذی حدیث: ۳۴۴۵)

(۶) حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی کو کسی لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خاص کر اپنی ذات کے لیے اللہ کے تقوی کی وصیت فرماتے کہ تم اللہ سے ڈرنا، اور اس کے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کے لیے خیر کی وصیت فرماتے کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔ (مسلم:۳-۱۷۳۱)

(۷) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ دنوں تک ان سے فرمایا کہ اے ابوذر! میں تم سے جو بات کہنے جارہا ہوں تم اس کو اچھی طرح سمجھ لو، پھر ساتویں دن آپ نے فرمایا: أوصيك بتقوى الله في سِرِّ أمرِكَ وعلانيتِه، وإذا أَسَئْتَ فأَحْسِنْ۔ یعنی میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں تنہائی میں بھی اور علانیہ بھی، اور جب تم کوئی برائی کر بیٹھو تو اس

کے بعد فوراً نیکی کرو (اس سے تمہارے گناہ دھل جائیں گے)۔ (مسند أحمد حدیث:۲۱۵۷۳)

(۸) عبداللہ بن عُقیم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ اپنے خطبے میں فرماتے تھے: ''أوصيكم بتقوى الله، وأن تثنوا عليه بما هو له أهل''۔ میں تم سب کو اللہ کا تقوی (اللہ سے ڈرنے اور خوف کرنے) کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ کی تعریف کرو اس چیز (الفاظ) کے ذریعہ جس کا وہ اہل ہے۔ (شعب الإیمان للبیہقی رقم:۱۰۱۰۹)

(۹) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو حضرت عمرؓ کو بلایا اور ان کو وصیت کی اور سب سے پہلی بات جو انہوں نے حضرت عمر سے کہی، وہ یہ تھی: ,,اتق اللّٰه، يا عمرُ!''۔ اے عمر! اللہ سے ڈرو۔

اور حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو لکھ کر بھیجا: ''أمّا بعدُ! فإنّي أوصيكَ بتقوى اللّٰه عزّ وجلّ؛ فإنّه مِن اتَّقَاه وَقَاه، ومَن أَقْرَضَه جَزَاه، وَمَن شَكَرَه زَادَه، وَاجْعَلِ التّقوٰى نصبَ عَيْنَيْكَ وَجِلاءَ قلبِكَ''۔

ترجمہ: بلاشبہ میں تم کو اللہ کے تقوے کی وصیت کرتا ہوں؛ اس لیے کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی حفاظت فرمائے گا، جو اللہ کو قرض دے گا (اللہ کے راستے میں مال خرچ کرے گا) اللہ تعالی اس کو بدلہ عطا کرے گا، اور جو اللہ کا شکر ادا کرے گا اللہ اس کو اور زیادہ عطا کرے گا، تقوی کو اپنا نصب العین اور اپنے قلب کا جلا (صیقل) بنالو۔

اور حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ایک آدمی کو ایک لشکر کا امیر بنایا تو ان سے فرمایا:

''أوصيك بتقوٰى اللّٰه الذى لابدّ لكَ مِن لقائِه، ولامُنتهٰى لكَ دُوْنَه، وهو يملكُ الدنيا والآخرةَ''۔

ترجمہ: میں تم کو وصیت کرتا ہوں اس اللہ سے تقوی اور ڈر وخوف کی جس سے تمہاری ملاقات (روزِ قیامت) ضروری ہے، اس کے بغیر تمہارا کوئی چارۂ کار اور جائے پناہ نہیں اور وہ دنیا وآخرت کا مالک ہے۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک آدمی کو لکھ کر بھیجا تھا:

''أوصيك بتقوى اللّٰه عزّ وجلّ التى لايقبلُ غيرَها، ولايرحمُ إلا أهلَها،ولايُثِيْبُ إلّا عليها، فإنّ الواعظينَ بِها كثيرٌ، والعاملينَ بها قليلٌ،جَعَلَنَا اللّٰهُ وإيّاك مِن المتقينَ'' ۔ (جامع العلوم والحکم:۴۰۶)

ترجمہ: میں تم کو اللہ کے تقوی اور خوف کی وصیت کرتا ہوں جس کے غیر کو اللہ تبارک وتعالی قبول نہیں کرتا، وہ اہلِ تقوی ہی پر رحم فرماتا ہے اور وہ تقوی ہی پر ثواب عطا کرتا ہے، بے شک تقوی کی نصیحت کرنے والے بہت ہیں اور اس پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں، اللہ تعالی ہمیں اور تمہیں متقین میں سے بنائے۔

(۱۰) ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت عروہؒ سے تخریج کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھ کر بھیجا: فاتَّقِ اللّٰه ؛ فإنّك إذا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ كَفَاكَ الناسَ، وإذا اتَّقيتَ الناسَ لم يُغنوا عنكَ مِن اللّٰهِ شيئاً۔ یعنی تم اللہ سے ڈرو! اگر اللہ سے ڈروگے تو اللہ تعالی لوگوں کی طرف سے تمہارے لیے کافی ہوجائے گا (اور وہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے) اور اگر تم لوگوں سے ڈرے تو لوگ اللہ کی طرف سے تم کو کچھ بھی بے نیاز نہیں کرسکتے (اور پھر اللہ تمہاری مدد نہیں کرے گا)۔

متقیوں کے لیے اعزاز واکرام اور انعامات جو قرآن میں بیان ہوئے

(۱) متقیوں کے مخصوص صفات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: أُولٰئِكَ عَلٰى هُدىً مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (البقرۃ:۵)

ترجمہ: یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور پورے بامراد اور کامیاب تو بس یہی ہیں۔

(۲) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰه مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (البقرۃ:۱۹۴)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں (متقیوں) کے ساتھ ہے۔

(۳) قُلْ أَ أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ، لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِّالْعِبَادِ۔ (آل عمران:۱۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر دوں جو ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے رہتے ہیں، ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں، ان کے نیچے ندیاں پڑی بہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ہوں گی، اور اللہ کی خوش نودی ہوگی، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ کی خوش نودی ورضا مندی: جب سب اہلِ جنت جنت پہنچ کر مسرور ومطمئن ہو چکے ہوں گے اور کوئی تمنا نہ رہے گی جو پوری نہ کردی گئی ہو تو اس وقت اللہ تعالی خود اہل جنت کو خطاب فرمائیں گے کہ اب تم راضی اور مطمئن ہو، کسی اور چیز کی تو ضرورت نہیں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے

پروردگار! آپ نے اتنی نعمتیں عطا فرمادی ہیں کہ اس کے بعد اور کسی چیز کی کیا ضرورت رہ سکتی ہے، اللہ تعالی فرمائیں گے کہ اب میں تم کو ان سب نعمتوں سے بالاتر ایک اور نعمت دیتا ہوں: وہ یہ کہ تم سب کو میری رضا اور قرب دائمی طور پر حاصل ہے، اب ناراضی کا کوئی خطرہ نہیں؛ اس لیے جنت کی نعمتوں کے سلب ہوجانے کا، یا کم ہوجانے کا بھی کوئی خطرہ نہیں۔ (معارف القرآن:۳۲/۲)

(۴) لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران:۱۷۲)

ترجمہ: ان میں سے جو نیک اور متقی ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

(۵) لٰكِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا، نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ۔ (آل عمران:۱۹۸)

ترجمہ: البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے لیے باغ ہوں گے، جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی، اور ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے حق میں کہیں بہتر ہے۔

(۶) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَاقَلِيْلٌ، وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى، وَلَاتُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا۔ (النساء:۷۷)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان بہت ہی تھوڑا ہے، اور آخرت اس کے لیے کہیں بہتر ہے جو تقوی اختیار کرے، اور تم پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(۷) فَمَنِ اتَّقٰى وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (الأعراف:۳۵)

ترجمہ: جو کوئی تقوی اختیار کرے اور اپنی اصلاح کرے تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۸) وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (الأعراف:۱۲۸۔القصص:۸۳)

ترجمہ: اور حسن انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(۹) وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ (طٰہٰ:۱۳۲)

ترجمہ: اور اچھا انجام اہلِ تقوی کے لیے ہے۔

(۱۰) وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ، فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ، وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ۔ (الأعراف:۱۵۶)

ترجمہ: اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے، سو اسے ان لوگوں کے لیے تو ضرور ہی لازم کردوں گا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۱۱)وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ، أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (الأعراف:۱۶۹)

ترجمہ: اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو ڈرتے رہتے ہیں۔

(۱۲)وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا، أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (یوسف:۱۰۹)

ترجمہ: اور عالمِ آخرت ہی ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو تقوی اختیار کیے ہوئے ہیں، سو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

(۱۳) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا،وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ،وَيَغْفِرْ لَكُمْ،وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (الانفال:۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا، اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ ہی ہے بڑا فضل والا۔

یعنی جو شخص عقل کو طبیعت پر غالب رکھ کر آزمائش میں ثابت قدم رہے اور اللہ تعالی کی اطاعت ومحبت کو سب چیزوں پر مقدم رکھے جس کو قرآن وشریعت کی اصطلاح میں تقوی کہا جاتا ہے، تو اس کو اس کے صلے میں تین چیزیں عطا ہوتی ہیں۔ فرقان، کفارۂ سیئات اور مغفرت۔

اس آیت میں تقوی اختیار کرنے والوں کو فرقان عطا ہونے کا اکثر مفسرین صحابہ کے نزدیک یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالی کی نصرت وامداد اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے کوئی دشمن ان کو گزند نہیں پہنچا سکتا اور تمام مقاصد میں کامیابی ان کی رفیق ہوتی ہے:۔

ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید ترسد از وے جن وانس وہر کہ دید

دوسری چیز جو تقوی کے صلے میں عطا ہوتی ہے وہ کفارۂ سیئات ہے: یعنی جو خطائیں اور لغزشیں اس سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں اس کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے، یعنی اس کو ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو اس کی سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں۔

تیسری چیز جو تقوی کے صلے میں ملتی ہے، وہ آخرت کی مغفرت اور سب گناہوں اور خطاؤں کی معافی ہے۔ (معارف القرآن:۴/۲۱۸،۲۱۹)

(۱۴) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ، تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، أُكُلُهَا دَائِمَةٌ وَظِلُّهَا، تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا، وَعُقْبَى الْكَافِرِيْنَ النَارُ۔ (الرعد:۳۵)

ترجمہ: جنت جس کا وعدہ متقیوں کے لیے ہوا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ندیاں جاری ہوں گی، اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہوگا، یہ انجام ہوگا اہلِ تقوی کا، اور کافروں کا انجام آتشِ

دوزخ ہے۔

(۱۵) إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ، اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ آمِنِيْنَ، وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ، لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَمَاهُمْ عَنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۔ (الحجر:۴۵-۴۸)

ترجمہ: بے شک پرہیزگار (متقین) باغوں اور چشموں میں بستے ہوں گے، تم داخل ہو اس میں سلامتی اور امن کے ساتھ اور جو کچھ ان کے دلوں میں کینہ ہوگا اسے ہم دور کردیں گے، سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے آمنے سامنے تختوں پر، اس کے اندر ان کو کوئی تکلیف چھوئے گی بھی نہیں، اور نہ وہ اس میں سے کبھی نکالے جائیں گے۔

مذکورہ آیتوں سے جنت کی دو خصوصیات معلوم ہوئیں: اول یہ کہ کسی کو کبھی تکان اور ضعف محسوس نہ ہوگا۔ دوسری یہ کہ جو آرام وراحت اور نعمتیں وہاں کسی کو مل جائیں گی، وہ دائمی ہوں گی، نہ وہ نعمتیں کبھی کم ہوں گی، اور نہ ان میں سے اس شخص کو نکالا جائے گا۔ (معارف القرآن:۲۰۳/۵)

(۱۶) وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ۔ (النحل:۳۰)

ترجمہ: اور اہلِ تقوی کا وہ گھر واقعی کتنا اچھا ہے۔

(۱۷) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ۔ (النور:۵۲)

اور جو کوئی بھی کہا مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کی نافرمانی سے بچے گا تو بس ایسے ہی لوگ بامراد اور کامیاب ہیں۔

(۱۸) قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ، كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيْرًا، لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاءُوْنَ خٰلِدِيْنَ، كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا۔ (الفرقان:۱۵،۱۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے! کہ آیا یہ مصیبت اچھی ہے یا وہ ہمیشگی کی جنت جس کا وعدہ متقیوں سے کیا جاچکا ہے، اور وہ ان کے لیے صلہ ہے اور آخری ٹھکانا ہے، انہیں وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ملے گا، وہ ہمیشہ (اس میں) رہیں گے۔ یہ وعدہ ہے آپ کے پروردگار کے ذمے اور قابل درخواست۔

اور قابل درخواست: یعنی اللہ نے اپنے فضل اور عنایت سے یہ اجر اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور یہ اس قابل ہے کہ اس کی درخواست کی جائے، بہتر یہ ہے کہ یہاں ''مسئول'' کو قابل درخواست یا مطلوب کے معنی میں لیا جائے۔

(۱۹) وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (الشعراء:۹۰)

ترجمہ: اور جنت متقیوں کے قریب کردی جائے گی۔

یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش وزیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ (فوائد عثمانی)

(۲۰) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ، وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ (الأحزاب:۷۰،۷۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی وسچائی کی بات کہو، اللہ تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا۔

(۲۱) وَإِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَآبٍ، جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ، مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا، يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَشَرَابٍ، وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ، هٰذَا مَاتُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ۔ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ۔ (ص:۴۹-۵۴)

ترجمہ: اور پرہیزگاروں (متقیوں) کے لیے اچھا ٹھکانا ہے، یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے، تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ان باغوں میں اور وہ بہت میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم سنیں (حوریں) ہوں گی، یہی وہ نعمت ہے جس کا تم سے وعدہ روزِ حساب کے آنے پر کیا جاتا تھا۔ بے شک یہ ہماری عطا ہے، اس کا کہیں خاتمہ ہی نہیں۔

یعنی بخلاف دنیا کی نعمتوں کے، کہ اس کا ذخیرہ بہرحال کہیں ختم ہو ہی جاتا ہے۔

(۲۲) لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَاغُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، وَعْدَ اللّٰهِ، لَايُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ۔ (الزمر:۲۰)

ترجمہ: البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں، جن کے اوپر بنے بنائے تیار بالا خانے ہیں، ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

(۲۳) لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ، ذٰلِكَ جَزَاؤُ الْمُحْسِنِيْنَ، لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَسْوَءَ الَّذِىْ عَمِلُوْا، وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الزمر:۳۴،۳۵)

ترجمہ: وہ (متقین) جو کچھ چاہیں گے ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے، یہ صلہ ہے نیک کاروں کا؛ تاکہ اللہ ان سے ان کے ہر عمل کی برائیوں کو دور کردے اور ان کے عمل کی

نیکیوں کا انہیں پورا اجر دے۔

(۲۴) وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ، لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔(الزمر:۶۱)

ترجمہ: اور جو لوگ بچے رہے تھے (متقین) اللہ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا، ان کو نہ تکلیف پہنچے گی اور نہ یہ غمگین ہوں گے۔

(۲۵) وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى إِذَا جَاءُوْ هَا،وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، طِبْتُمْ، فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۔(الزمر:۷۳)

ترجمہ: اور جو لوگ اہلِ تقوی تھے وہ لوگ گروہ در گروہ روانہ کیے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اس کے (جنت) کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے ''سلام علیکم'' مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔

(۲۶) وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔(الزخرف:۳۵)

ترجمہ: اور آخرت تو آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں (متقیوں) کے لیے ہی ہے۔

(۲۷) إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ،فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ، يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ، كَذٰلِكَ، وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ، يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ، لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَا بَ الْجَحِيْمِ، فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ، ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔(الدخان:۵۱-۵۷)

ترجمہ: اللہ سے ڈرنے والے بے شک امن کی جگہ میں ہوں گے، یعنی باغوں اور چشموں میں، لباس پہنے ہوں گے باریک اور دبیز ریشم کا، آمنے سامنے بیٹھے ہوئے، یہ بات اسی طرح ہے، اور ہم ان کو ملا دیں گے گوری گوریوں بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے، وہ وہاں ہر قسم کے میوے منگائیں گے اطمینان سے، وہ وہاں موت کا مزہ بھی نہ چکھیں گے، ہاں بجز اس پہلی موت کے، اللہ انہیں دوزخ سے بچائے گا، یہ سب آپ کے پروردگار کے فضل سے ہوگا۔ بڑی کامیابی یہی ہے۔

متقین امن کی جگہ میں ہوں گے: ان آیات کے ذریعہ جنت کی سرمدی نعمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نعمت کی تقریباً تمام اصناف کو جمع کر دیا گیا ہے؛ کیوں کہ انسانی ضرورت کی چیزیں عموماً یہ ہوتی ہیں: (۱) عمدہ رہائش (۲) عمدہ لباس (۳) بہتر شریک زندگی (۴) بہتر مأکولات (۵) پھر ان سب نعمتوں کے باقی رہنے کی ضمانت (۶) رنج وتکلیف سے کلی طور پر مأمون رہنے کا یقین۔ یہاں ان چھ کی چھ باتوں کو اہلِ جنت کے لیے ثابت کر دیا گیا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں غور کرنے

سے صاف ظاہر ہے۔ یہاں اہلِ جنت کی قیام گاہ کو ''امین'' (پرامن) کہ کر اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ انسانی رہائش گاہ کی سب سے قابلِ تعریف صفت اس کا پُرامن یعنی خطرات سے محفوظ ہونا ہے۔

جنت میں موت کا مزہ نہ چکھیں گے: یعنی جو موت دنیا میں ایک مرتبہ آچکی ہے اس کے بعد کوئی موت ان پر نہیں آئے گی۔ اور یہ اعلان اہلِ جنت کے لیے سرور وکیف میں اضافے کا باعث ہوگا؛ کیوں کہ نعمت خواہ کتنی بڑی ہو اس کے زوال کا تصور لازماً کدورت کا سبب ہوتا ہے اور اہلِ جنت جب یہ تصور کریں گے کہ نعمتیں کبھی ہم سے نہیں چھنیں گی تو اس سے ان کی مسرتوں میں اضافہ ہوگا۔ (معارف القرآن: ۷/۷۷۳، ۷۷۴)

(۲۸) وَإِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ أُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ۔ (محمد: ۳۶)

ترجمہ: اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقوی اختیار کرو تو اللہ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہ کرے گا۔

(۲۹) وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ.... لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ۔ (ق: ۳۱-۳۵)

ترجمہ: اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی، یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ان لوگوں کو وہاں سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زائد ہے۔

اور ہمارے پاس اور بھی زائد ہے: یعنی ہمارے پاس ایسی نعمتیں بھی ہیں جن کی طرف انسان کا وہم وخیال بھی نہیں جاسکتا؛ اس لیے وہ ان کی خواہش بھی نہیں کرسکتا، حضرت انسؓ اور جابرؓ نے فرمایا کہ یہ ''مزید نعمت'' حق تعالی کی زیارت بلا کیف ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگی۔ اس مضمون کی احادیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آیت "لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ" کی تفسیر میں روایت کی گئی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اہل جنت کو زیارت حق سبحانہ وتعالی جمعہ کے روز ہوا کرے گی۔ (تفسیر طبری: ۱۲/۱۷، درمنثور: ۵۰۶/۷، معارف القرآن: ۱۴۸/۸)

(۳۰) إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ، اٰخِذِيْنَ مَا اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ، إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (الذٰریٰت: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: بے شک پرہیزگار لوگ (متقین) بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے، لے رہے ہوں گے جو ان کے پروردگار نے انہیں عطا کیا ہوگا، بے شک یہ لوگ اس سے قبل (دنیوی زندگی میں) نکوکار تھے۔

(۳۱)إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ .... وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ۔(الطّور:۱۷-۲۰)

ترجمہ: بے شک متقی لوگ باغوں اور سامانِ عیش میں ہوں گے، خوش ہو رہے ہوں گے اس سے جو کچھ کہ ان کے پروردگار نے انہیں دیا ہوگا، اور ان کا پروردگار انہیں عذابِ دوزخ سے محفوظ رکھے گا، (انہیں کہا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو، ان نیکیوں کے بدلے جو تم کرتے رہے ہو، تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے برابر بچھے ہوئے تختوں پر، اور ان کا نکاح کریں گے گوری گوری بڑی آنکھ والیوں کے ساتھ۔

(۳۲) وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔(الرحمٰن:۴۶)

ترجمہ: اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہے اس کے لیے دو باغ ہوں گے۔

(۳۳) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ، وَيَغْفِرْلَكُمْ،وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔(الحدید:۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیمبر پر ایمان لاؤ تم کو اپنی رحمت سے دوحصہ دے گا، اور تمہارے لیے وہ نور پیدا کردے گا کہ تم اسے لیے چلو پھرو گے، اور وہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

(۳۴) وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مِنْ أَمْرِهٖ يُسْرًا۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْعَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ أَجْرًا۔(الطلاق:۲-۵)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشائش پیدا کردیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو کوئی اللہ سے تقوی اختیار کرے گا اللہ اس کے ہر کام میں آسانی پیدا کردے گا۔ اور جو کوئی اللہ سے تقوی اختیار کرے گا اللہ اس کے گناہ اس سے دور کردے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

(۳۵)إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔(القلم:۳۴)

ترجمہ: بے شک پرہیزگاروں (متقیوں) کے لیے ان کے پروردگار کے پاس عیش کے باغ ہیں۔

(۳۶) إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا، حَدَائِقَ وَأَعْنَاباً، وَكَوَاعِبَ أَتْرَاباً، وَكَأْساً دِهَاقاً، لَايَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْواً وَّلَاكِذَّاباً۔(النبأ:۳۰-۳۵)

ترجمہ: بے شک متقیوں (پرہیزگاروں) کے لیے کامیابی ہے، یعنی باغ ہیں اور انگور، اور

نوساختہ ہم عمر عورتیں، اور لبالب جام، وہ نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ، یہ بدلہ ہوگا (کافی) انعام آپ کے پروردگار کی طرف سے۔

(۳۷) وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى۔ (۴۰،۴۱)

ترجمہ: اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانا بس جنت ہی ہے۔

(۳۸) إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلَالٍ وَّعُيُوْنٍ، وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ، كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئاً بِّمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (المرسلات:۴۱-۴۴)

ترجمہ: پرہیز گار لوگ (متقین) بے شک سایوں اور چشموں اور مرغوب میووں میں ہوں گے، (ان سے کہا جائے گا:) خوب مزے سے کھاؤ پیو، اپنے اعمال کے صلے میں۔

(۳۹) إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ، فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ (القمر:۵۴،۵۵)

ترجمہ: جو پرہیز گار ہیں (متقین) ان باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک۔

(۴۰) وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ (الجاثیۃ:۱۹)

ترجمہ: اور پرہیز گاروں (متقیوں) کا دوست تو اللہ ہے۔

(۴۱) وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (التوبۃ:۱۲۳)

ترجمہ: اور جانے رہو کہ اللہ تو پرہیز گاروں (متقیوں) کے ساتھ ہے۔

(۴۲) إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ (التوبۃ:۴،۷)

ترجمہ: بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔

حصولِ تقوی کے اسباب اور طریقے

تقوی کس طرح حاصل ہو، ایک مومن میں تقوی کی بیش قیمت دولت کیسے آئے؟ ہم قرآن وحدیث اور اقوالِ علما کی روشنی میں حصولِ تقوی کے چند اسباب اور طریقے ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اہلِ تقوی کی صحبت

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ۔ (التوبۃ:۱۱۹)

یعنی اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو، اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور آگے فرمایا کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ، صادقین کے ساتھ بن جاؤ۔

صادقین کون لوگ ہیں اور ان سے کون مراد ہیں؟ ابن العربیؒ نے فرمایا: قِیْلَ ھُمُ الَّذینَ استوتْ ظواھرُھم وبواطُنھم۔ یعنی صادقین وہ لوگ ہیں جن کے ظاہر و باطن یکساں ہوں۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جس کی یہ صفت ہو اس کو صدیق کہتے ہیں جیسے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ۔ (تفسیر قرطبی: ۲۸۹/۸)

اور تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ہے: المرادُ بالصادقینَ الذینَ صدقُوا فی الدینِ نیةً و قولاً و وعملاً وإخلاصاً۔ (روح المعانی: ۴۳/۶۔ الکشاف: ۳۲۰/۲۔ تفسیر نسفی: ۷۱۶/۱)

یعنی صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین میں سچے ہیں، نیت، قول و عمل اور اخلاص کے اعتبار سے۔

حاصل یہ کہ اللہ تبارک وتعالی ایمان والوں کو حکم یہ دے رہا ہے کہ اگر متقی بننا چاہتے ہو، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو تو ضروری ہے کہ تم ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جن کے ظاہر و باطن یکساں ہیں، جن کے باطن کی صفائی اور صیقل ہو چکا ہے، جو اخلاص کے پیکر ہیں اور جو قول و عمل ہر اعتبار سے سچے ہیں، جن اوصاف کی وجہ سے بندۂ مومن صدیقیت کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے؛ لہٰذا صاحبِ نسبت بزرگانِ دین اور اہلِ تقوی اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا حصولِ تقوی کا بڑا سبب ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: تقوی اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تقوی رکھنے والے لوگوں کے ساتھ بن جاؤ، اگر آدمی ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، جن کو حلال و حرام کی فکر نہیں، جن کو اللہ کے سامنے کھڑے ہونے اور حساب و کتاب دینے کا احساس نہیں، اگر انسان ایسے غافلوں کی صحبت میں رہے گا تو اس کے اندر بھی غفلت آجائے گی اور اگر تقوی والوں کی صحبت اختیار کرے گا اور ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا جن کو اللہ نے ہمت عطا فرمائی ہے اور اللہ کو ناراض کرنے والے کاموں سے وہ بچتے ہیں، تو جتنی صحبت بڑھتی جائے گی، ان شاء اللہ، اتنا ہی تقوی بھی بڑھتا جائے گا۔ (اصلاحی خطبات: ۱۲۱/۱۷)

(۲) حصول تقوی کا دوسرا سبب روزہ رکھنا ہے

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں روزہ کے حکم کو بیان کرنے کے بعد اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ"۔ تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ (البقرۃ: ۱۸۳)

مفسرین اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

لأنّ الصومَ وصلةٌ إلى التقوٰى؛ لِما فيهِ من قهرِ النفسِ وكسرِهَا وتركِ الشهواتِ۔ (تفسیر البغوی:۲۱۴/۱)

ترجمہ: روزہ حصول تقوی کا وسیلہ اور سبب ہے؛ اس لیے کہ اس سے نفس پر کنٹرول اور غلبہ حاصل ہوتا ہے، کسر نفس ہوتا اور شہوتوں کو ترک کیا جاتا ہے۔

لأنَّ الصيامَ سببُ تقوٰى ؛لأنّه يُميتُ الشهواتِ۔ (تفسیر قرطبی:۲۷۶/۲)

ترجمہ: روزہ تقوی کا سبب ہے؛ اس لیے کہ یہ شہوتوں کو مارتا ہے۔

سببُ فرضيةِ الصومِ هو رجاءُ حصولِ التقوٰى لكم۔ (البحر المحیط:۱۷۹/۲)

ترجمہ: روزہ کی فرضیت کا سبب تمہارے لیے حصولِ تقوی کی امید ہے۔

أنّه سببٌ للتقوٰى، وتقوى اللّٰهِ عزّ وجلّ واجبةٌ على كلّ مكلَّفٍ عدٰى كلّ حالٍ و فى كلِّ زمانٍ۔ (تفسیر الراغب الأصفہانی:۳۸۸/۱)

ترجمہ: روزہ تقوی کا سبب ہے اور اللہ تبارک وتعالی کا تقوی، اس کا ڈر اور خوف ہر مکلّف بندہ پر ہر حال اور ہر زمانے میں واجب اور ضروری ہے۔

اور حضرت تھانویؒ مذکورہ آیت کے فوائد تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''کیوں کہ روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقوی کی''۔

اور ترجمہ شیخ الہند میں: '' لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ '' کے فوائد تفسیر میں لکھا ہے: ''یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی، تو پھر اس کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے اور روزہ سے نفس کی قوت وشہوت میں بھی ضعف آئے گا، تو اب تم متقی ہو جاؤ گے، بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو دشوار معلوم ہوتے ہیں، ان کا کرنا آسان ہو جائے''۔

الغرض مذکورہ تمام عبارتوں کا حاصل یہی ہے کہ روزہ حصولِ تقوی کا سبب ہے، اس سے بندۂ مومن میں تقوی پیدا ہوتا ہے۔

(۳) مشتبہ حتی کہ بعض مباح چیزوں سے بچنا

حصول تقوی کا تیسرا سبب مشتبہ حتی کہ بعض مباح چیزوں سے بچنا ہے، حضرت عطیہ سعدیؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا يبلغُ العبدُ أن يكونَ منَ المتقينَ حتى يَدَعَ مالا بأسَ به حذرًا لِمابه بأسٌ''۔ (ترمذی حدیث نمبر:۲۴۵۱، ابن ماجہ:۴۲۱۵)

ترجمہ: بندہ اس وقت تک کامل پرہیزگاروں (متقیوں) کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی قباحت ہے؛ تاکہ اس طرح وہ ان چیزوں سے بچ سکے جن میں قباحت ہے۔

مظاہر حق جدید میں اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: شرعی نقطۂ نظر سے متقی یعنی پرہیزگار وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو ان چیزوں سے دور رکھے جنہیں اختیار کرنا اللہ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا سبب ہو۔

حاصل یہ ہے کہ بندہ اس وقت تک پورا متقی اور پرہیزگار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس خوف کی وجہ سے مباح چیزیں بھی نہیں چھوڑ دیتا کہ مبادا یہ مباح چیز کسی حرام، یا مکروہ، یا مشتبہ چیز تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بن جائے، مثلاً اگر ایک آدمی شادی شدہ نہ ہو تو شہوت کے غلبہ اور حرام کاری میں مبتلا ہونے کے خوف سے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھائے؛ کیوں کہ جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو شہوت کا غلبہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح خوش بو وغیرہ نہ لگائے اور نہ کوئی ایسی مباح چیز استعمال کرے جس سے ہیجان پیدا ہوتا ہو۔ بہرکیف حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کے بعد احتیاط کے پیش نظر بعض مباح چیزوں سے بھی بچنا تقوی و پرہیزگاری کا کامل ترین درجہ ہے؛ چناں چہ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم حرام میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے دس حلال حصوں میں سے نو حصے چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں منقول ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے از قسم مباح ستر حصے ترک کردیتے تھے۔ (مظاہر حق جدید: ۴۴۳/۳، ۴۴۴)

اور حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنَّ الحلالَ بيّنٌ، وإنّ الحرامَ بيّنٌ، وبينهما مشتبهاتٌ، لايعلمهنّ كثيرٌ من الناسِ، فمن اتَّقى الشبهاتِ استبرأ لدينه وعرضِه، ومَن وَقَعَ فى الشبهاتِ وقع فى الحرامِ۔ (مسلم حدیث: ۱۰۷-۱۵۹۹، بخاری حدیث: ۵۲)

ترجمہ: بہت سی چیزیں حلال ہیں، ان کا حلال ہونا واضح اور ظاہر ہے، اور بہت سی چیزیں حرام ہیں جن کا حرام ہونا واضح اور ظاہر ہے، اور ان کے درمیان بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مشتبہ ہیں، جن کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ حرام ہے یا حلال، پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کرلیا اور جو شخص مشتبہ معاملات میں پڑا عنقریب وہ حرام چیز میں بھی واقع ہوگا، مبتلا ہوگا۔

مشتبہ چیز کی مثال: ایک شخص کے پاس کچھ روپے ہیں جن میں سے کچھ تو جائز آمدنی کے

ہیں اور کچھ ناجائز آمدنی کے، اس صورت میں سب روپے اس شخص کے حق میں مشتبہ ہیں، لہٰذا ان روپیوں سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہیے۔ (مظاہر حق جدید: ۴۳۳/۳)

بہرحال مشتبہ چیزوں سے بچنا اور بعض مرتبہ حلال اور مباح امور سے اجتناب واحتراز اور پرہیز کرنا حصول تقوی کا سبب ہے، اس سے تقوی پیدا ہوتا ہے۔

(۴) محاسبۂ نفس

حصولِ تقوی کا چوتھا سبب محاسبۂ نفس ہے، بندۂ مومن اپنے بارے میں یہ محاسبہ کرے کہ اس کا کھانا کیسا ہے؟ اس کا پینا کیسا ہے؟ اس کا لباس کیسا ہے؟ اس کی کمائی کیسی ہے؟ اس کے ذرائع آمدنی کیسے ہیں؟ حضرت میمون بن مہرانؒ فرماتے ہیں کہ: ''آدمی اس وقت تک کامل متقی اور پرہیزگار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کا اس سے زیادہ محاسبہ نہ کرلے جتنا کہ وہ اپنے ساتھی کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا کیسا ہے، اس کا پینا کیسا ہے، اس کا لباس کیسا ہے، آیا یہ چیزیں اس کے پاس حلال طریقے سے آئیں ہیں، یا حرام طریقے سے''۔ (الدرالمنثور: ۶۳/۱)

پس جب آدمی اپنے آپ کا خوب خوب محاسبہ کرے گا، ہر وقت حرام وحلال کے درمیان تمیز کی فکر کرے گا اور دھیان رکھے گا تو اس میں تقوی آئے گا اور وہ متقی بن جائے گا۔

(۵) اللہ کی رؤیت اور معیت کا احساس

علامہ ابن رجب حنبلیؒ اپنی کتاب جامع العلوم والحکم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''جو آدمی اس بات کو جان لے گا کہ اللہ تعالی اس کو دیکھ رہا ہے چاہے وہ جہاں بھی ہو اور اللہ اس کے ظاہر وباطن اور اس کے سر وعلانیہ، ہر حالت پر مطلع ہے اور اللہ تعالی کو اپنی خلوت میں مستحضر رکھے اور اس کی معیت کا احساس ہر وقت دامن گیر رہے تو پھر یہ اس کو تنہائی میں ترکِ معاصی پر آمادہ کرے گا، اور یہ اس کے لیے گناہوں کو چھوڑنے کا موجب اور سبب ہوگا۔ اسی معنی کی طرف اللہ تعالی نے اپنے اس قول کے ذریعہ اشارہ کیا ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ۔ الآیہ۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ (سورۂ نساء: ۱)

(۶) درج ذیل چار اعمال کو حصولِ تقوی کا سبب مانا گیا ہے:

(۱) دل سے اللہ کی محبت (۲) محنت ومشقت کے ساتھ حتی الوسع احکامِ شریعت پر عمل کرنا (۳) تمام اولادِ آدم پر رحم کرنا (۴) اور جو اپنے لیے پسند نہیں وہ دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرنا، لہٰذا دوسرے کو ایذا اور تکلیف نہ پہنچانا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزہد میں اور ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب

التقوی میں سعید بن ابوسعید مقبریؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ: اے معلمِ خیر! میں کس طرح متقی اور اللہ سے ڈرنے والا بن جاؤں جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے؟ "كيف أكونُ تقياً للّٰهِ كما ينبغي لَه؟ قال: بِيسيرٍ مِن العملِ، تُحِبُّ اللّٰهَ بقلبِكِ كلّه، وتعمل بكدحك وقوتك ما استطعتَ، وترحّم ابنَ جنسِك، وما لاتحبُّ أن يؤتىٰ إليك فلا تأتِه إلى أحدٍ، فأنتَ تقيٌّ للّٰهِ حقاً۔ (الدرالمنثور: ۶۲/۱)

جواب میں حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تھوڑے سے عمل سے متقی بن جاؤ گے۔ "تم پوری دل جمعی کے ساتھ اللہ سے محبت کرو۔ محنت ومشقت اور قوت کے ساتھ پوری طاقت کے مطابق عمل کرو۔ تمام اولاد آدم پر رحم کرو۔ اور جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے اس میں دوسرے کو مبتلا مت کرو یعنی دوسرے کو تکلیف مت پہنچاؤ، پس تم کما حقہ اللہ سے ڈرنے والے اور متقی بن جاؤ گے"۔

(۷) "لا إلٰہ إلّا اللّٰہ" کا ورد

کلمۂ لا إلٰہ إلّا اللّٰہ کو کلمۂ تقوی بھی کہتے ہیں، جیسا کہ اس کا نام کلمۂ توحید اور کلمۂ اخلاص بھی ہے؛ لہٰذا کلمۂ لا إلٰہ إلا اللّٰہ کا ورد اور کثرت سے اس کا ذکر بھی حصولِ تقوی کا سبب ہے۔ پس جو شخص جتنا زیادہ اس کا ورد وذکر کرے گا اس میں اتنا ہی زیادہ تقوی پیدا ہوگا۔ ان شاء اللہ (احیاء العلوم: ۲۹۸/۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصولِ تقوی کی دعا

آدمی کو چاہیے کہ کثرت کے ساتھ تقوی کی دعا کرتا رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر وحضر ہر حال میں تقوی کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اللّٰهمّ إنّی أسئلُك الهدٰى والتُقٰى والعفافَ و الغناءَ۔

اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں ہدایت کا، تقوی کا، عفت و پاک دامنی کا اور استغنا و بے نیازی کا۔ (مسلم حدیث: ۲۷۲۱-۷۲۔ ترمذی حدیث: ۳۴۸۹۔ ابن ماجہ حدیث: ۳۸۳۲)

اور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں نکلنے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہو جاتے تھے، تو یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰهمّ إنّا نسئلُك فی سفرِ هذا البرَّ والتقوٰى۔ اے اللہ! بے شک ہم آپ سے اس سفر میں نیکی اور تقوی کا سوال کرتے ہیں۔ (مسلم حدیث: ۴۲۵-۱۳۴۲)

تقوی اختیار کرنا واجب وفرض ہے

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں ۷۸/ سے زائد مرتبہ صیغۂ امر کے ذریعہ تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں سے ۶۶/ سے زیادہ دفعہ "اِتَّقُوْا اللّٰہَ" اللہ سے ڈرو! یا "اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ" اپنے رب سے ڈرو!' کے صیغے اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور امر وجوب کے لیے آتا ہے؛ لہٰذا یہ وجوب اور فرضیت کا تقاضا کرتا ہے اور اس تاکیدی اور تکراری حکم سے تقوی کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ پس تقوی کا اختیار کرنا فرض اور واجب ہے۔

چناں چہ تفسیر روح المعانی میں ہے: والتقوٰی واجبةٌ علیکم، المدلولُ علیه بقوله: "اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ "یعنی تقوی تمہارے اوپر لازم ہے؛ اور اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے "اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ "تم سب اپنے رب سے ڈرو؛ اس لیے کہ یہ صیغۂ امر کے ذریعہ حکم ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ (روح المعانی:۹/ ۱۱۷)

علامہ ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: إن اللّٰہَ أوجبَ علی العبادِ أن یتقوه، وأصلُ التقوٰی معرفةُ مایتّقی، ثُمَّ العملُ به، فالواجبُ علی کلّ عبدٍ أن یبذلَ جُهده فی معرفةِ مایتقیه ممّا أمره اللّٰه به، ونهاه عنه، ثم یلتزمُ طاعةَ اللّٰهِ ورسولَه۔ ورأسُ التقوٰی والإحسانِ خلوصُ النیةِ للّٰه فی إقامةِ الحقِّ۔ (إعلام الموقعین عن رب العالمین:۲/ ۱۸۷، ۱۲۲)

ترجمہ: اللہ تعالی نے بندوں پر لازم اور ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس سے ڈریں۔ اور تقوی کی اصل اس چیز کی معرفت حاصل کرنا ہے جس سے ڈرا جائے، پھر اس پر عمل کرنا ہے، پس ہر بندہ پر واجب ہے کہ اپنی جہد وکوشش کو اس چیز کی معرفت میں خرچ کرے جس کے ذریعہ وہ اللہ سے ڈرے گا یعنی اللہ تعالی نے جس چیز کے کرنے کا حکم دیا ہے اس کا علم حاصل کرے اور جس چیز سے روکا اور منع کیا ہے اس کا علم حاصل کرے، پھر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم پکڑے۔ اور واضح رہے کہ تقوی اور احسان (تصوف) کی اصل اور بنیاد ہر کام کے انجام دینے میں اللہ کے لیے خلوص نیت ہے (کہ ہر کام محض اللہ کو راضی اور خوش کرنے کے لیے ہو کوئی دنیاوی اغراض ومقاصد پنہاں نہ ہوں)۔

اور امام راغب اصفہانیؒ نے لکھا ہے: تقوٰی اللّٰهِ عزّ وجلّ واجبةٌ علٰی کلّ مکلّف عدی کلّ حالٍ و فی کلّ زمانٍ۔ (تفسیر الراغب الأصفہانی:۱/ ۳۸۸)

یعنی اللہ تبارک وتعالی کا تقوی اور اس کا ڈر اور خوف ہر مکلّف بندہ پر ہر حال اور ہر زمانے میں

واجب اورضروری ہے۔

اورامام رازیؒ آیت کریمہ: يَا أَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ (الحج: ۱)

ترجمہ:اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو؛ کیوں کہ قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں:

أنه سبحانَه وتعالٰی أمرَ الناسَ بالتقوٰی، ثم علّل وجوبَها عليهم بذكرِ الساعةِ، ووصفها بأهولِ صفةٍ، والمعنى أنَّ التقوٰی تقتضِی دفعَ مثلِ هذا الضررِ العظيمِ عن النفسِ، ودفعُ الضررِ عن النفسِ معلومُ الوجوبِ، فيلزمُ أن تكونَ التقوٰی واجبةً۔(تفسیر رازی:۲۳/۲۰۰)

ترجمہ: اللہ سبحانہ وتعالی نے لوگوں کو تقوی کا حکم فرمایا، پھر بندوں پر اس کے وجوب کی علت کو قیامت کے ذکر کرنے کے ذریعہ بیان فرمایا۔اور اللہ تعالی نے (آگے) قیامت کے سب سے ہولناک وصف کو ذکر فرمایا۔مطلب یہ ہے کہ تقوی نفس سے اس جیسے ضرر عظیم کو دور کرنے کا تقاضہ کرتا ہے،اور یہ معلوم ہے کہ اپنے آپ سے ضرر کو دور کرنا واجب ہے،لہٰذا لازم آیا کہ تقوی واجب ہے۔

تفسیر ابن جزی میں ہے:التقوی واجبة۔یعنی تقوی واجب ہے۔ (التسہیل لعلوم التنزیل لابن جزی:۱/۱۲۸)

تفسیر سعدی میں ہے:أصل التقوى واجبة۔(۱/۹۵۱)یعنی اصلِ تقوی واجب ہے۔

اللہ قادر مطلق سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں بھی تقوی عطا فرمائے،نورِ تقوی سے قلب کو منور فرمائے، ہر عمل میں اخلاص پیدا فرمائے اور ہر کام کو تقوی اور اپنی ذات سے ڈر اور خوف کے ساتھ انجام دینے کی توفیق بخشے! آمین یارب العالمین!

❁ ❁ ❁

موجودہ حالات میں قرآنی ہدایات

از: مولانا محمد اجمل قاسمی
استاد تفسیر وادب مدرسہ شاہی مرادآباد

انسان کے پیش کردہ نظریات وقت کے گذرنے کے ساتھ فرسودہ ہوجاتے ہیں، مفکرین کے پیش کیے ہوئے حل اگلے زمانے میں ازکار رفتہ قرار پاتے ہیں، من کو موہ لینے والا اسلوب اور دل کو چھو لینے والا طرز بیان ایک عرصے کے بعد اپنی کشش کھو دیتا ہے؛ مگر قربان جائیں قرآن مجید کے، یہ ایسی کتاب ہے جو اپنی ساری آب وتاب کے ساتھ ہمیشہ تروتازہ اور سدا زندہ ہے، صدیاں بیت گئیں، زمانے گذر گئے، نہ اس کے اسلوب کی شوکت جاتی ہے، نہ اس کے نظم کی حلاوت کم ہوتی ہے، اور نہ ہی اس کی تعلیمات انسانیت کی رہنمائی سے عاجز وقاصر ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہو جب کہ علیم وخبیر رب نے ہر پہلو سے اسے پختہ اور ٹھوس بنایا ہے اور اسے سارے زمانوں اور سارے انسانوں کے لیے ابدی ہدایت بنا کر بھیجا ہے، قرآن کریم میں پچھلی قوموں کے واقعات کا انتخاب اور اس کو پیش کرنے کا انداز اتنا شاندار ہے کہ پڑھنے والوں کو ماضی کی ان داستانوں میں حال تصویر صاف نظر آتی ہے، اور ان واقعات کے ضمن میں قدم قدم پر جو ہدایات ہیں ان سے اپنے زمانے کے حالات میں بہترین رہنمائی ملتی ہے، اس طرح قرآن کریم میں گذری قوموں کے واقعات میں آنی والی قوموں کے لیے نصیحت کا بڑا سامان آ گیا ہے، اللہ کا یہ ارشاد بالکل برحق ہے:

"لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" (الانبیاء: ۱۰)

''ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے''۔

آج امت مسلمہ عالمی اور ملکی دونوں سطح پر نہایت بے کسی اور بے بسی کے دور سے گذر رہی ہے، لڑی ٹوٹنے پر جیسے تسبیح کے دانے تیزی سے ایک کے اوپر ایک گرتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح آج مسائل وچیلنجز یکے بعد دیگرے تیزی اور تسلسل کے ساتھ سامنے آ رہے ہیں، آئے دن کوئی نہ

کوئی نئی مصیبت درپیش ہوتی ہے جو آزمائش وامتحان کی زنجیر میں نئے حلقوں کا اضافہ کرجاتی ہے، مسلمان خوف دہشت اور مایوسی کا شکار ہوتے ہیں اوران کے ذہن میں طرح طرح کے سوال گردش کرنے لگتے ہیں۔قرآن کریم نے ہمیں واضح طور پر بتایا ہے کہ دنیا میں صرف برے اور غلط کارلوگ ہی پریشانیوں سے دوچارنہیں ہوتے؛ بلکہ اچھے لوگوں، اللہ کے نیک بندوں اورحق کے پرستاروں کوبھی زندگی مختلف موڑوں سخت حالات اور پریشانیوں سے گذرنا پڑتا ہے، اوراس میں اللہ کی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔قرآن کریم نے اہل حق کی آزمائشوں کا ذکرکرتے ہوئے ہمیں یہ بھی بتایا کہ امت جب بھی کسی ایسے سخت آزمائشی دورسے گذرے میں تواسے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے، ذیل میں ہم اسی سلسلے میں قرآن پاک سے ملنے والی کچھ ہدایات پیش کرتے ہیں، اوردعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اس کومفیدونافع بنائے،تو آیئے ان ہدایات پرایک نظرڈالتے ہیں:

۱-تقوی: تقوی کیا ہے؟ تقوی اللہ تعالی سے ایسے تعلق کا نام ہے جس میں وہ شوق ومحبت بھی ہوجس کی وجہ سے آدمی کے لیے اللہ کے پسندیدہ احکام کی پیروی آسان اورمحبوب بن جائے اوروہ ڈراورخوف بھی ہوجس کی وجہ سے نافرمانیوں کا ارتکاب آدمی کے لیے مشکل ہوجائے، آزمائشیں بہت سی دفعہ انسان کی بداعمالیوں کے نتیجے میں بطورتنبیہ اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجی جاتی ہیں، تاکہ غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگ ہوش میں آکراللہ سے رجوع کریں، اس کے دین کے احکام بجالائیں اوراس کی نافرمانیوں سے پرہیزکریں، یوں توتقوی کی صفت ہرحال میں مطلوب ہے؛مگر آزمائشوں کے دورمیں اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے،تقوی ہی سے اللہ کی نصرت ومدد ملتی ہے،مشکل آسان ہوتی ہے،اورمصیبتوں سے نکلنے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں،قرآن میں جابجا تقوی کی تاکید کی گئی ہے،ایک جگہ ارشاد ہے:

”وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا، وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا“ (الطلاق:۲-۳)

”اورجوکوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا،اوراسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا،اورجواللہ پربھروسہ کرے تواللہ اس (کی مدد) کے لیے کافی ہے۔“

۲-صبر: آدمی یہ ذہن بنالے کہ ہمیں اللہ کوراضی رکھنا ہے،اور ہرحال میں اس کے دین پر مضبوطی سے جمنا ہے،اورپھراس کے لیے خواہشات کی قربانی دینی پڑے، مفاد کی قربانی دینی پڑے،

جان ومال، کھیتی وکاروبار کا نقصان برداشت کرنا پڑے، دشمنوں کی طرف سے دلخراش طعنے سننے پڑیں اور مخالفتوں کا سامنے کرنا پڑے، اللہ کی رضا کے لیے سب کچھ برداشت کرے، اور دین پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہے، محکومیت اور مظلومیت کے دور سے صبر کی صفت سے آراستہ ہوئے بغیر کامیابی کے ساتھ نکلا نہیں جاسکتا، اہل حق کا قافلہ جب بھی آزمائشوں سے دوچار ہوا ہے انھیں صبر استقامت اور پامردی کی تلقین کی گئی ہے، فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑنے کا اعلان کیا تو حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ سے مدد طلب کرنے اور صبر اختیار کرنے کی تلقین کی:

"قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَ هُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَ هُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ، قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّهِ وَاصْبِرُواْ إِنَّ الأَرْضَ لِلّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاء مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الأعراف:۱۲۷-۱۲۸)

''(فرعون) بولا: ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے، موسی نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنادیتا ہے اور آخری انجام پرہیزگاروں کے ہی حق میں ہوتا ہے۔''

۳- نماز: نماز کی اہمیت یوں تو ہر حال میں بہت زیادہ ہے؛ مگر خصوصیت کے ساتھ آزمائشی حالات میں نماز کی تاکید کئی مقامات پر آئی ہے، مشکل حالات میں دین پر استقامت لیے جس صبر اور ایمانی استقلال کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اللہ سے مضبوط تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور نماز اللہ رب العزت سے تعلق قائم کرنے کا سب سے آسان اور مؤثر طریقہ ہے، نماز میں جب عاجز و درماندہ اور پریشاں حال بندہ اللہ سے اپنے دکھ درد کا اظہار کرتا ہے، اس کے سامنے تڑپتا ہے، روتا اور بلکتا ہے، تو اللہ کی رحمت فوراً اس بندے کی مسیحائی بھی کرتی ہے؛ چنانچہ اسے ایک روحانی سکون ملتا ہے، تسلی حاصل ہوتی، ایمان میں تازگی آتی ہے اور قربانی کا نیا عزم وحوصلہ پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہوتے، نماز سے آپ کے شوق کا یہ حال تھا کہ سفر ہو حضر ہو، امن ہو جنگ ہو، رزم ہو بزم ہو، غم ہو خوشی ہو، نیند و آرام کا وقت ہو، یا مصروفیات و بیداری کا ایک چیز جس کے اہتمام میں کبھی فرق نہیں آتا تھا وہ نماز ہے، آزمائشوں میں گھرے لوگوں کو اللہ تعالی نے ایک سے زائد مقام پر خصوصیت سے تاکید فرمائی ہے، ارشاد ہے:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ اسْتَعِینُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِینَ"(البقرۃ:۱۵۳)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

۴-احتساب: دین پر عمل کرنے کی راہ میں جو پریشانیاں پیش آئیں، شریعت پر چلنے میں جن مشکلات کا سامنا ہو، مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی وجہ سے جو جو ناگواریاں اور نقصان گوارا کرنا پڑے اس پر ہمت ہارنے اور ناامید و پریشان ہوکر شکستہ خاطر ہونے کے بجائے اللہ سے ان مصیبتوں پر اجر وثواب کی امید رکھے، آزمائشوں کو گناہوں کے لیے کفارہ اور نیکیوں میں اضافہ کا ذریعہ سمجھے، یہی چیز احتساب کہلاتی ہے، یہ صفت کسی بندہ مومن میں اگر پیدا ہوجائے تو وہ آسانی بڑے بڑے غم سہار جاتا ہے، بڑے سے بڑے نقصان پر صبر کرلیتا ہے، اور آئندہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے پرعزم رہتا ہے، قرآن کریم جگہ جگہ آخرت کے ثواب کا شوق دلاکر صحابہ کو دین کے لیے قربانیوں پر ابھارا گیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

"فَالَّذِینَ هَاجَرُواْ وَأُخْرِجُواْ مِن دِیَارِهِمْ وَأُوذُواْ فِی سَبِیلِی وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِی مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّن عِندِ اللّهِ وَاللّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ" (آل عمران:۱۹۵)

''پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں انھیں تکلیفیں دی گئیں اور جنھوں نے (دین کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا کفارہ کردوں گا اور انھیں ضرور بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے انعام ہوگا اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین انعام ہے۔''

۵-توکل: پریشانیوں میں اللہ کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کیا جائے، اس کی ذات عالی سے حسن ظن رکھا جائے، حالات کی سختی اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے مایوسی اور ناامیدی بجائے اللہ کی طاقت وقدرت پر اعتماد کیا جائے، اس قدرت کے سامنے دنیا کی ساری فرعونیت ہیچ ہے، وہ ایسا سہارا ہے جس سے مضبوط کوئی سہارا نہیں:

کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا مرے لیے ہے

اللہ نے فکر وعمل اور مال واسباب کے جو بھی جائز وسائل مہیا کیے ہیں، ان کو بھی اچھی طرح بروئے کار لائے اور ممکنہ جد وجہد کرے؛ مگر نظر اسباب کے بجائے رب الاسباب پر ہو، بھروسہ اپنی

تدبیروں کے بجائے اللہ کی توفیق اور اس کی نصرت پر ہو، یقین ہو کہ اس کی مدد شامل ہوگی تو ذرۂ بے مقدار سے بھی بڑے بڑے کام بن جائیں گے اور اگر توفیق شامل حال نہ ہوئی تو پہاڑوں جیسے منصوبے اور تدبیریں مکڑی کے جالے سے زیادہ بے وقعت ثابت ہوں گے، اللہ پر اعتماد و بھروسہ ایک عجیب وغریب صفت ہے، قرآن شاہد ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ بہت سی دفعہ اسباب ووسائل سے تہی مایہ مٹھی بھر لوگوں نے محض اللہ کے اعتماد و بھروسے پر بڑے بڑے معرکے سر کر لیے اور بڑی بڑی کامیابیوں سے سرفراز کیے گئے، توکل کی ضرورت یوں تو ہر حال میں ہے؛ مگر نازک گھڑی اور مخالف ماحول میں دینی اور ملی جدوجہد کرنے والوں کو اس صفت آراستہ ہونا ازحد ضروری ہے، قرآن جابجا توکل کی تاکید آئی ہے، اس سلسلے کی ایک آیت اوپر بھی گذر چکی ہے، ایک اور نقل کی جاتی ہے جس میں صحابہؓ کی قربانی واطاعت اور ان کے جذبۂ توکل کو خوب سراہا گیا ہے:

"الَّذِينَ اسْتَجَابُواْ لِلّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَآ أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُواْ مِنْهُمْ وَاتَّقَواْ أَجْرٌ عَظِيمٌ، الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" (آل عمران:۱۷۲-۱۷۳)

''وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے، وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (تمہارے دشمن) لوگ تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس خبر نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کردیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

۶- انفاق یعنی راہ خدا میں مال خرچ کرنا: مال آدمی کو فطری طور پر بہت محبوب ہے، بڑے جتن اور محنت کے بعد ہاتھ لگتا ہے اس لیے دل میں اس کی قدر بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، اب یہ محبوب اور عزیز تر چیز اگر کسی چیز پر قربان کی جائے تو لامحالہ وہ چیز بھی قیمتی اور قابل قدر ہوجائے گی؛ اس لیے دل میں دین کی قدر و قیمت پیدا کرنے کے لیے دین اور اہل دین پر مال خرچ کرنا ضروری ہے۔ مزید برآں یہ کہ مال کی محبت اگر اعتدال سے بڑھ جائے، تو وہ آدمی کو خودغرض اور مفاد پرست بناتی ہے، اور دین وایمان کے لیے ایک حجاب بن جاتی ہے، ایسا شخص دین کے لیے مالی مفاد کی قربانی دینے کا حوصلہ نہیں جٹا پاتا، قارون موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو اس لیے قبول نہ کرسکا کہ اس کے مالی مفاد پر زد پڑتی تھی، قوم شعیب علیہ السلام کے ایمان نہ لانے کے جو اسباب تھے، ان میں ایک بڑا سبب یہ تھا کہ

ایمان قبول کرنے کی صورت میں انھیں کاروباری نقصان نظر آتا تھا۔ جو آدمی خیر کے کاموں میں مال کو خرچ کرتا رہتا ہے اس کے دل میں دنیا کی محبت اعتدال سے آگے نہیں بڑھتی، جس کی وجہ سے وہ مال سے دنیوی فوائد حاصل کرنے کے ساتھ اخروی ثواب بھی حاصل کرتا ہے، پس راہ خدا میں مال خرچ کرنا اس حبِ مال اور حبِ دنیا کا بہترین علاج ہے جسے ہر برائی کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔

راہ خدا میں مال خرچ کرنا ہر مومن کی ایمانی ضرورت اور اس کا روحانی علاج ہے، اسی لیے تنگی اور فراخی ہر حال میں خرچ کرنے کی تاکید آئی ہے؛ مگر امت جب کمزوری اور مغلوبیت کے دور سے گذر رہی ہو تو مال خرچ کرنا محض اپنے روحانی علاج کے لیے ہی نہیں؛ بلکہ دین اور اس کے ماننے والوں کی بقا کے لیے بھی نہایت ضروری ہوجاتا ہے، مساجد و مدارس اور دینی مراکز کی بقا، اسلامی تحریکوں کے احیاء، غریب ومفلس مسلمانوں کی خبر گیری، لٹے پٹے اور اجڑے ہوئے ایمانی بھائیوں کی بازآبادکاری، فرضی مقدموں میں ماخوذ مظلوموں کی دادرسی، غرضے کہ سیکڑوں تقاضے پیدا ہوجاتے ہیں، جن کے لیے وسیع پیمانے پر مال کی سخت ضرورت ہوتی ہے، وقت کے یہ تقاضے اتنی اہمیت اختیار کرلیتے ہیں کہ ان کا اگر پورا کرنے میں کوتاہی برتی جائے تو خطرہ پیدا ہوجاتا ہے کہ کہیں دین نہ ضائع ہوجائے اور دین کے ماننے والے ایمان سے ہاتھ دھو نہ بیٹھیں، اسی لیے صحابہ جب مشکل دور سے گذر رہے تھے اور ان کے اوپر ہر طرف سے مسائل کے انبار تھے، تو قرآن کریم نے ان کو مختلف انداز میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید کی اور ترغیب دلائی، ایک جگہ ارشاد ہے:

"وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُواْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ" (البقرۃ:۱۹۵)

''اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ تعالی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (اُس وقت اسلام اور مسلمانوں کو جو اہم مالی تقاضے درپیش تھے صحابہؓ کو اس کے لیے مال خرچ کرنے کی تاکید کی گئی اور کہا گیا کہ اس وقت ان تقاضوں پر مال خرچ کرنے میں کوتاہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوسکتی ہے)

۷- ذکر واستغفار اور دعا: انابت، رجوع الی اللہ، دعا اور ذکر واستغفار درحقیقت جوہر عبادت اور روح بندگی ہے، یہ وہ پاکیزہ صفات ہیں جو سفلی اور حیوانی جذبات سے بوجھل انسان کو ملکوتی انوار میں رنگ دیتی ہیں اور بندے کو اللہ کے بہت قریب کردیتی ہیں، یہ بندے جب کسی کام کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کو اللہ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے، وہ جب اپنے کو پکارتے ہیں تو ان کی

پکار سنی جاتی ہے، اللہ انھیں وہ بصیرت عطا کرتا جس سے مشکل گھڑی میں نجات کی راہیں واضح ہوتی ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی نصرت ومدد اوراس کی نظر رحمت کو اپنی طرف موڑ میں دعا واستغفار، ذکر اللہ کی کثرت، انابت اورالحاح وعاجزی اوراس کے حضور جبین نیاز رگڑنے کا بڑا اثر ہے، اللہ تعالی نے پریشان کن حالات میں قرآن کریم میں جگہ جگہ اہل ایمان کو ذکر کی کثرت، توبہ واستغفار، اوردعا کی تلقین کی ہے، اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں بھی ہمیں یہ بات بہت نمایاں طور پر ملتی ہے، لہٰذا آج حالات میں ہر صاحب ایمان کو اس طرف بھرپور توجہ دینی کی ضرورت ہے، قرآن کریم نے دشمنوں کے مقابلہ میں انبیاء کرام کا ساتھ دینے والے اللہ والوں کا حال ہماری تعلیم کی غرض سے بڑی شان سے بیان کیا ہے، مشکل کی حالات وہ کس طرح جمے اور کٹھن گھڑیوں میں کس عاجزی سے اپنے رب کو پکارا اوراپنے گناہوں پر معافی کے خواستگار ہوئے قرآن کے الفاظ میں پڑھیے:

"وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا اسْتَكَانُواْ وَاللّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ، وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلاَّ أَن قَالُواْ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ، فَآتَاهُمُ اللّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الآخِرَةِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ" (آل عمران:١٤٦-١٤٨)

''اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، نتیجتًا انھیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا، اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے، ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرمادے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرمادے؛ چنانچہ اللہ نے انہیں دنیا کا انعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی، اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر دشمن سے مقابلہ کے وقت کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کی تاکید کی فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُواْ وَاذْكُرُواْ اللّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ" (الانفال:٤٥)

''اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہوجائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو؛ تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔''

حالات اور آزمائش کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اس سلسلے میں ہم نے جو یہ چند معروضات جو پیش کی ہیں ان کو روحانی، باطنی یا دینی تدابیر کا نام دیا جاسکتا ہے، یہ دینی تدبیریں ہی دراصل حقیقی تدبیریں ہوتی ہیں، مسلمان اگر ان پر صحیح طور پر عمل پیرا ہوجائیں تو اللہ ظاہری اور مادی تدبیروں کی شکلیں پیدا فرماتا ہے، پھر یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ہر صاحب ایمان ان تدبیروں کی ضرورت کا قائل ہے، کسی کے لیے اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر عمل کے لیے کسی سرمائے، کسی نظم وانتظام اور پروگرام کی ضرورت نہیں، ہر کوئی بآسانی اپنی ذاتی توجہ سے ان پر عمل کرسکتا ہے اور اپنی بساط بھر دوسروں کو بھی متوجہ کرسکتا ہے، ان باتوں ہر حال میں خیر ہی خیر ہے:

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہوکہ خزاں لاالٰہ الا اللہ

بلاشبہ اسلام نے اعمال کے ساتھ اسباب کا بھی پابند کیا ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ روحانی تدبیروں کے ساتھ ساتھ مادی اسباب اور ظاہری تدبیریں اختیار کرنے پر بھی زور دیا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ میں باطنی اور مادی اور ظاہر تدبیریں پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں، مگر قرآن کریم نے ظاہری تدبیروں کوئی متعین صورت نہیں رکھی ہے؛ بلکہ حالات وزمانہ کے لیے لحاظ جو شکل موزوں اور مفید نظر آئے وہ اختیار کی جائے گی، اور اس باب میں کوئی مشورہ یا لائحہ عمل وہی پیش کرسکتا ہے جسے کتاب وسنت کے گہرے علم کے ساتھ ملک وقوم اور زمانہ کے حالات سے بھی گہری واقفیت اور بصیرت بھی ہو۔

دعا ہے کہ ہمارے اکابر جو امت کی قیادت کا فریضہ انجام دے رہیں اللہ تعالیٰ ان پر صحیح راہ عمل کھول دے، اور قوم وملت کی صحیح قیادت ورہنمائی توفیق عطا فرمائے، رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا، اور توفیق الٰہی اور تائید ربانی سے مالا مال غیر معمولی صلاحیت وبصیرت کے حامل ایسے بندوں کو کھڑا کرے جنھیں اللہ نازک اور مشکل گھڑیوں میں امت کی گلوخاصی اور نجات کے لیے منتخب کرتا ہے اور ان کے ذریعہ دین وملت کی قیادت کا فریضہ انجام دلواتا ہے، امت سخت انتشار اور بے اطمینانی کے دور سے گذر رہی ہے اور زمانے کو پھر سے نئی شیرازہ بندی کا انتظار ہے، وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا، آمین یارب العالمین!

❁ ❁ ❁

نماز کی سنن قبلیہ و بعدیہ؛ اہمیت وفضیلت!

از: مولانا عبدالقوی ذکی حسامی
امام وخطیب مسجد لطف اللہ حیدرآباد

عقیدۂ توحید کے بعد سب سے اہم ترین فریضہ؛ نماز ہے، بے شمار آیات وروایات، اس حکم کی فرضیت کے متعلق کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اللہ سے قرب کا آسان اور قریب ترین راستہ ہے، اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد بندہ اپنے پروردگار سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ (ابوداؤد) نماز نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، حضرات صحابہ کرامؓ نے اس فریضہ کے آنے پر عید جیسی خوشی منائی، یہ فریضہ نماز کسی بیماری اور مجبوری میں معاف نہیں ہے، نیز احادیث مبارکہ میں فرائض کے علاوہ دیگر نمازوں کی ترغیب دی گئی ہے، اور نبی کریم ﷺ کا اس سلسلہ میں متواتر عمل بھی ثابت ہے، اصطلاح شرع میں اُن نمازوں کو نوافل کہا گیا ہے؛ تاہم جن نمازوں کو نبی اکرم ﷺ نے اہتمام کے ساتھ ادا فرمایا، انہیں سنت موکدہ کہا جاتا ہے، نماز سے پہلے اور بعد کی جو سنتیں ہیں ان کی اہمیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آپ ﷺ ان سنتوں کو نہایت اہتمام سے ادا فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ آگے آئے گا، عام طور پر جو کوتاہی اور لاپرواہی اس حوالہ سے برتی جارہی ہے، وہ بہت ہی تکلیف دہ ہے، بالخصوص نوجوان طبقہ اس کا زیادہ شکار ہے، اس باب میں ہر نماز کے سنن سے متعلق مستقل فضائل ہیں، مجموعی لحاظ سے بھی ان سنن کی فضیلت آئی ہے، جو ہمیں عمل پر ابھارنے کے لیے کافی ہے؛ چنانچہ جو بندہ دن میں بارہ رکعتیں اہتمام سے ادا کرتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک محل اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو دیا جائے گا، قال رسول الله ﷺ من صلیٰ فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة بنی له بیت فی الجنة (ترمذی) وہ کونسی بارہ رکعتیں ہیں۔ دو فجر سے پہلے کی، چار ظہر سے قبل اور دو بعد ظہر کے، دو مغرب بعد کی، اور عشاء کے بعد کی دو رکعتیں۔ ان میں سے ہر نماز کی سنتوں کی علیحدہ فضیلت ہے، جس کا عملاً التزام ہم پر ضروری ہے۔

فجر کی سنتوں کے متعلق فضائل؛ دن کے آغاز میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ فجر کہلائی جاتی ہے، اس کی سنتوں کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے بڑے جامع فضائل مسطور ہیں، قال رسول اللّٰہ ﷺ لاتدعوھما وان طردتکم الخیل (ابو داؤد۔ بروایت ابو ہریرہؓ) نبی ﷺ نے فرمایا فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگر چہ تمہاری یہ حالت ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہیں، مطلب یہ کہ تم کہیں سفر پر تیزی سے جارہے اور گھوڑوں کی پیٹ پر سوار ہو تب بھی اس سنت کو ترک نہ کرو، ایک مقام پر سنت فجر کی فضیلت یوں بیان فرمائی لم یکن النبی ﷺ علی شئیء من النوافل اشد تعاھدا منه علی رکعتی الفجر (بخاری ومسلم بحوالہ مشکاۃ۔ بروایت عائشہؓ) نبی اکرم ﷺ نوافل میں سب سے زیادہ فجر کی دو رکعت سنت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، سنتوں میں سے کسی سنت کی قضا نہیں ہے؛ مگر فجر کی سنت کی قضا ایک روایت سے ثابت ہے من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس (ترمذی، معارف الحدیث۔ راوی ابو ہریرہؓ) نبی ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہیے وہ سورج نکلنے کے بعد ادا کرے، ان روایات کی روشنی میں حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق فجر کی سنت واجب ہے، (تحفۃ القاری، محدث پالنپوریؒ)۔ علاوہ ازیں یہ حکم بھی فجر کی سنت کے ساتھ خاص ہے کہ جب کوئی آدمی نماز فجر کے لیے مسجد میں داخل ہوا اور فرض نماز شروع ہوچکی ہو، اس نو وارد کو یہ گمان غالب ہو کہ اس کو کم از کم دوسری رکعت یا قعدہ اخیرہ مل جائے گا، تو اس کو چاہیے کہ اول سنت ادا کرے، پھر نماز میں شامل ہوجائے، واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها لکون الجماعة اکمل والا بانّ رجا ادرك رکعة فی ظاھر المذھب (رد المختار مع الدر المختار) اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے، نماز شروع ہوچکی تھی، تو آپؓ نے پہلے سنت ادا کی، پھر جماعت میں شامل ہوئے، (شرح معانی الاثار) انه دخل المسجدوالامام فی الصلاة فصلیٰ رکعتی الفجر ان روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک فجر کی سنت کی کس قدر اہمیت تھی، اور انہوں نے اس سنت کا کس طرح اہتمام کیا۔

ظہر کی سنتوں کے متعلق فضائل؛ زوال شمس کے بعد پڑھی جانے والی نماز ظہر کہلاتی ہے، اس کی سنت کے فضائل بھی قریب قریب فجر کی سنت کے ہیں، آپ ﷺ ارشاد فرمایا جو ان سنتوں کی حفاظت کرے گا، (یعنی روزانہ ادا کرے گا) اللہ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردے گا، من حافظ علی اربع رکعات قبل الظھر واربع بعدھا حرمه اللّٰه علی النار (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ۔

بروایت ام حبیبہؓ) صاحب معارف الحدیثؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں آقا ﷺ سے بعد ظہر دو رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے، جو کہ سنت موکدہ کہلائی جاتی ہیں؛ البتہ چار رکعتوں کی صورت یہ ہوگی کہ دو سنت موکدہ اور دو نفل، (معارف الحدیث) ایک دوسری روایت میں حدیث کا یہ مضمون آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے، ان کے لیے آسمان کے دروازے (یعنی جنت کے دروازے) کھل جاتے ہیں، (سنن ابو داؤد۔ابن ماجہ، راوی ابوایوب الانصاریؓ) قال النبی ﷺ اربع قبل الظهر ليس فيهن تسليم تفتح لهن ابواب السماء.

عصر کی سنتوں کے فضائل؛ نماز عصر جو دن کے درمیانی حصہ میں ادا کی جاتی ہے، اس نماز کی سنت کے سلسلہ میں صرف آپ ﷺ کا ترغیبی ارشاد ملتا ہے، جس کا اہتمام کرنے پر بندہ مستحق ثواب ہوتا ہے، آقا ﷺ کا فرمان ہے رحم اللّٰہ امراً صلیٰ قبل العصر اربعاً (مسند احمد بحوالہ معارف الحدیث، راوی ابن عمرؓ) اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے، اگرچہ اس سنت کا حکم کوئی تاکیدی نہیں ہے، مگر طالب آخرت کے لیے اعمال صالحہ بہترین سرمایہ ہے، جو اسی دنیا میں وہ کرسکتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ سے عصر سے پہلے دوگانہ نماز ادا فرمانا بھی ثابت ہے، كان رسول اللّٰه ﷺ يصلى قبل العصر ركعتين (ابوداؤد، مشکاۃ، بروایت حضرت علیؓ) چونکہ یہ سنت -سنت غیر موکدہ ہے، اس سلسلہ میں اس سنت کا حکم یہ کہ اس کے پڑھنے والے کو ثواب، اور نہ پڑھنے والے کو کوئی گناہ نہیں؛ البتہ سنت موکدہ باصرار چھوڑنے والا گنہگار ہوگا، اگر ہم ایسے وقت مسجد پہنچے اور کچھ وقت جماعت کے لیے باقی ہو، تو بجائے قیل وقال کے دو یا چار رکعت پڑھ کر اس فضیلت کو حاصل کریں۔جیسا کے روایات سے معلوم ہوا۔

مغرب کی سنتوں کے فضائل؛ نماز مغرب غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے، اس کی سنتوں کی بھی بڑی فضیلت احادیث میں واضح طور پر آئی ہیں، آپ ﷺ فرماتے تھے جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت سنت پڑھے اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے کف کے برابر ہوں، قال عليه الصلوٰة والسلام من صلیٰ بعد المغرب ست ركعات غُفرت له ذنوبه وان كانت مثل زبد البحر (طبرانی) اللہ کی رحمت اپنے بندوں پر کس طرح مہرباں ہے، ذرا سی کوشش سے بندہ اپنی ڈھیر سارے گناہ بخش والے، اور پاک ہوجائے، درحقیقت یہ فضائل ہمارے لیے ہیں، دن رات آدمی اللہ کی کتنی نافرمانی کرتا ہے، پھر بھی اللہ ہمارے لیے بخشش کے دروازے

کھولے ہوئے ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے بعد نماز مغرب بات کرنے سے پہلے دو یا چار رکعات نماز پڑھی، اللہ اس کی نماز کو جنت کے اعلیٰ مقام علیین تک اٹھائے گا، قال النبی ﷺ من صلیٰ بعد المغرب قبل ان یتکلم رکعتین .... وفی روایة اربع رکعات رفعت صلاته فی علیین (مشکاۃ) مطلب یہ ہے کہ اس کے اس عمل کو ساتویں آسمان تک اٹھایا جائے گا، ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ آخرت میں اس کا یہ عمل اللہ سے قرب کا ذریعہ بنے گا واقربها من اللّٰه فی الآخرة (باب السنن وفضلها، ص۲۹۸ لمعات شرح مشکاة).

عشاء کی سنتوں کے فضائل؛ دن کی آخری نماز عشاء کی نماز ہے، اس کے سنن کا اہتمام بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر میں عشاء کے بعد دو رکعت نماز پڑھی صلیت مع رسول اللّٰه ﷺ.... الخ ورکعتین بعد العشاء فی بیته (بخاری ومسلم) اور ابوداؤد کی روایت میں نبی ﷺ کا یہ عمل مذکور ہے کہ آپ ﷺ جب بھی حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف لاتے چار یا چھ رکعات ضرور ادا فرماتے۔ (ابوداؤد، معارف الحدیث، بروایت عائشہؓ) قالت ما صلیٰ رسول اللّٰه ﷺ العشاء قط فدخل علی الا اربع رکعات أو ست رکعات اس حدیث کے ذیل میں محدثین فرماتے ہیں جمہور ائمہ کے نزدیک تو وہی دو رکعت سنت موکدہ ہیں جو ابن عمرؓ کی روایت سے منقول ہے، البتہ ان دو رکعت کے علاوہ آرام فرمانے سے پہلے مزید دو یا چار رکعت آپ ﷺ پڑھتے تھے۔ ان فضائل کے ہوتے ہوئے بھی سنتوں کے سلسلہ میں اگر ہمارا معاملہ کوتاہی والا ہے تو سمجھو بہت بڑی محرومی ہم اپنے سر لے رہے ہیں، جس کا اندازہ ہمیں کل قیامت میں ہوگا۔

❁ ❁ ❁

علماء اور مدارس عبادت کے ذرائع ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے

از: مولانا شاہ عالم گورکھپوری

قال اللّٰہ فی کتابہ العزیز "اللّٰہ لا الٰہ إلا ھو" اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا معبود ہونا بیان کیا گیا ہے کہ عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے عقل وفہم میں وہ قوت نہیں دی کہ اس کی ذات کی حقیقت تک انسان رسائی حاصل کر سکے؛ البتہ اس کی پہچان کے لیے کچھ صفات ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنے فہم وفراست سے اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صفات ثبوتیہ، جنھیں صفات جمالیہ بھی کہا جاتا ہے اور اسی کو علامہ تفتازانی صاحبِ شرح عقاید نے صفات ازلیہ سے تعبیر کیا ''ولہ صفات ازلیۃ''۔

(۲) صفات سلبیہ، جنھیں صفات جلالیہ بھی کہا جاتا ہے۔

صفات ثبوتیہ:

صفات ثبوتیہ ان صفات کو کہتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ماننا لازم اور ضروری ہو۔ یہ آٹھ ہیں: علم، قدرت، سمع، بصر، حیات، کلام، ارادہ مشیت اور تکوین۔ یہ صفات نہ عین اللہ ہیں نہ غیر اللہ ہیں۔

صفات سلبیہ:

صفات سلبیہ ان صفات کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے جن کی نفی کرنی ضروری ہو۔ جیسے "اللّٰہ لیس بجسم، اللّٰہ لیس بعرض" وغیرہ۔

صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) محکمات (۲) متشابہات

محکمات: محکمات ان صفات کو کہتے ہیں جن کا معنی معلوم ہو جیسے علم، قدرت، سمع، بصر وغیرہ۔

متشابہات: متشابہات ان صفات کو کہتے ہیں جن کا معنی معلوم نہ ہو۔ صفات متشابہات دو طرح کی ہوتی ہیں:

(۱) غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد یعنی جن کا معنی لغوی اور معنی مرادی کچھ بھی معلوم نہ ہو، جیسے "**الم، عسق، حم**".

(۲) معلوم المعنی غیر معلوم المراد یعنی معنی لغوی تو معلوم ہو؛ لیکن معنی مرادی معلوم نہ ہو۔ جیسے "ید اللّٰہ، وجہ اللّٰہ، ساق اللّٰہ"۔

آمدم برسر مطلب

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ دنیا میں عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔ اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا، اللہ پر کبھی فناء طاری نہیں ہوگا۔ خود لفظ "اللہ" سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے؛ اس لیے کہ اللہ نام ہے ذات واجب الوجود کا جیسا کہ درس نظامی میں شامل علم کلام کی مشہور کتاب "شرح عقائد" میں ہے: "والمحدث للعالم هو اللّٰه أی الذات الواجب الوجود" کہ تمام عالم کو پیدا کرنے والا اللہ یعنی ذات واجب الوجود ہے۔ واجب الوجود کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس کا ہمیشہ موجود رہنا ضروری ہو اور اس کے اوپر عدم کا طاری ہونا محال ہو؛ چنانچہ اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ محمد عبدالعزیز فرہارویؒ فرماتے ہیں:

"فسر اسم اللّٰه سبحانه بالواجب لأن كون الحق سبحانه مبدعا للمحدثات كلها ومبدء سلسلة الممكنات بأجمعها وموصوفا بالوحدة والقدم... إنما هو من حيث كونه واجب الوجود". (النبراس شرح شرح عقائد، ص:٩٦-٩٧)

ترجمہ: شارحؒ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تفسیر لفظ "واجب" سے اس لیے کی ہے کہ حق تعالیٰ تمام مخلوقات کو انوکھے طرز پر پیدا کرنے، جمیع ممکنات کو ایجاد کرنے اور قدم ووحدت کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے ایسے ہیں کہ ان کا ہمیشہ ہمیش موجود رہنا ضروری ہے۔

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن محمد القسطلانی، الرومی، الحنفیؒ، المعروف بـ"کستلی" فرماتے ہیں:

"قوله: (أی الذات الواجب) يريد أن هذااللفظ وإن كان وضعه بازاء ذات الواجب الوجود لكن لما كان امتياز ذلك عندنا بوصف الألوهية. صار قولنا: (اللّٰه) بمنزلة أن يقول: الذات الموصوف بالألوهية، والألوهية على ما صرح به: عبارة عن

وجوب الوجود القدم الذاتی" (المجموعة السنية على شرح العقائد النسفية، ص:۲۰۸، ۲۰۹)

ترجمہ: شارحؒ نے اپنے قول ''ذات واجب الوجود'' سے یہ مراد لیا ہے کہ لفظ اللہ اگرچہ اس ذات کے لیے وضع کیا گیا ہے جو واجب الوجود ہو؛ لیکن ہمارے یہاں اس کا امتیاز صفت الوہیت سے متصف ہونا ہے۔ اب ہمارا قول ''اللہ'' اس درجہ میں ہوگا کہ کہا جائے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو صفت الوہیت سے متصف ہے اور الوہیت ''جیسا کہ بیان کیا گیا'' قدم ذاتی اور وجود کے ہمیشہ ہمیش رہنے کا نام ہے۔

علامہؒ کے قول "وإن كان وضعه بازاء ذات الواجب الوجود" سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ لفظ ''اللہ'' کا حقیقی معنی ''ذات واجب الوجود'' ہے۔ یعنی جس کا ہمیشہ موجود رہنا ضروری ہو اور جس کی ہمیشہ ہمیش عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے؛ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ"

ترجمہ: کہ ہم نے جناتوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ عبادت اللہ کی کی جائے گی، عبادت کرنے والے انس وجن ہوں گے اور چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ موجود رہیں گے اس لیے جب تک ان کی مرضی ہوگی انسان وجنات ان کی عبادت کرتے رہیں گے یعنی ان کی عبادت کرنے والے افراد اس روئے زمین پر موجود رہیں گے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری کمزور نگاہوں سے اوجھل ہیں، نہ تو ہم اللہ کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی سن سکتے ہیں، تو پھر اللہ کی عبادت کیسے (کن طرق وافعال کے ذریعے) کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی معمہ کو حل کرنے کے لیے انبیاء کرام علیہ السلام اور کتب مقدسہ کا پاکیزہ سلسلہ شروع فرمایا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو چکا۔ اللہ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس کی تعلیم دی، صحابہؓ نے تابعینؒ کو، تابعینؒ نے تبع تابعینؒ کو، انھوں نے محدثین وفقہاء کو، محدثین وفقہاء نے علماء کو۔ اس طرح سینہ بہ سینہ یہ علم اور عبادت کا طریقہ ہم تک پہونچا۔ عصر حاضر میں جس جگہ اس کی تعلیم ہوتی ہے اور جو لوگ اس کی تعلیم دیتے ہیں انھیں مسجد، مدرسہ علماء، فضلاء اور حفاظ کے نام سے معنون ومنسوب کیا جاتا ہے۔

اتنی بات تو طے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہیں گے، جب تک چاہیں گے انسانوں کو باقی رکھیں گے اوران سے عبادت کا کام لیتے رہیں گے۔ جب یہ دونوں باتیں طے ہیں تو یہ بھی متیقن ہے کہ جن ذرائع سے اللہ کی عبادت کا طریقہ بتایا جاتا ہے اور جولوگ طریقہ بتاتے ہیں وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانوں میں انھیں کسی اورنام سے معنون ومنسوب کیا جانے لگے۔ جیسے ان ہی ذرائع کو دواوّل میں نبی اور پیغمبر سے بتانے کی خاص جگہ کو دورنبویؐ میں صفہ کہا جاتا تھا، مابعد کے زمانے میں ان ذرائع کومختلف ناموں سے جانا گیا اوراب اس زمانے میں عالم، مفتی، حافظ، قاری اور بتانے کی جگہوں کو مدرسہ، مسجد، کے نام سے جانا جاتا ہے اسی طرح ممکن ہے کہ بعد میں ان کا کچھ اورنام ہوجائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نام میں اگرچہ تبدیلی ہوجائے جیسا کہ ماضی میں تبدیلی ہوتی آئی ہے؛ لیکن یہ ذرائع تاقیامت باقی رہیں گے اور جولوگ بھی ان کے مٹانے کے درپے ہوں گے وہ خودمٹ جائیں گے؛ لیکن ان پر کسی طرح کی آنچ نہیں آئے گی؛ اس لیے کہ یہ ذرائع مٹ گئے تو اللہ کی عبادت کا طریقہ اپنے بعد والوں کو کوئی بتانے والا نہیں رہے گا اور جب یہ سلسلہ نہیں رہے گا تو اس کے بغیر اللہ کی عبادت ناممکن ہوگی اور جب اللہ کی عبادت نہیں ہوگی تو نعوذ باللہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی معبودیت پر حرف آئے گا۔

ایک سوال:

مدارس ومساجد اورعلماء وفضلاء عبادت یا اللہ کی معبودیت کے لیے سبب کے درجہ میں ہیں؛ لہٰذا یہ ذرائع سبب ہوئے اورعبادت مسبّب اورسبب کے فوت ہونے سے مسبّب کو فوت ہونا لازم نہیں آتا؛ اس لیے اگر یہ مدارس اورعلماء نہیں رہے تو اس سے عبادت یا اللہ کی معبودیت پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ مدارس ومساجد فنا ہوسکتے ہیں۔

جواب:

اولاً: ان ذرائع اورعبادت کے درمیان سبب مسبّب کا نہیں؛ بلکہ موقوف اورمقوف علیہ کا علاقہ ہے۔ عبادت موقوف ہے اور یہ ذرائع موقوف علیہ۔ اورموقوف کی بقا کے لیے موقوف علیہ کی بقا شرط ہوتی ہے، ثابت ہوا کہ مدارس ومساجد اورعلماء وفضلاء کا باقی رہنا ضروری ہے۔

ثانیا: سبب کی دوصورتیں ہیں: (۱) مسبّب سبب کے ساتھ خاص نہ ہو۔ جیسے لفظ ''عتق'' اور ''زوال ملک متعہ''۔ اس مثال میں لفظ ''عتق'' زوال ملک متعہ کے لیے سبب ہے؛ لیکن ضروری نہیں ہے کہ ''عتق'' کے ساتھ ہمیشہ زوال ملک متعہ ہو۔ جیسے اگر مولی اس لفظ کو باندی کی طرف منسوب

کرے تو زوال ملک رقبہ کے واسطے سے زوال ملک متعہ ہوگا؛ لیکن اگر یہی لفظ غلام کے لیے استعمال کرے تو صرف زوال رقبہ ہوگا زوال ملک متعہ نہیں۔

(۲) مسبّب سبب کے ساتھ خاص ہو۔ جیسے خمر (شراب) اور عنب (انگور)۔ اس مثال میں ''عنب''، خمر کے لیے ایسا سبب ہے جس کے ساتھ مسبّب (خمر) خاص ہے؛ کیونکہ احناف کے یہاں خمر کا اطلاق صرف کچے شیرہ انگور پر ہی ہوتا ہے۔

پہلی صورت میں (جب مسبّب سبب کے ساتھ خاص نہ ہو) دونوں میں سے ایک کی نفی دوسرے کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی؛ لیکن دوسری صورت میں (جب مسبّب سبب کے ساتھ خاص ہو) ایک کی نفی دوسرے کی نفی کو مستلزم ہوا کرتی ہے (خلاصۃ نامی شرح حسامی ص:۳۱، نورالانوار بحث: علاقہ مجاز)۔ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ عبادت اور ذرائع عبادت میں سببیت کا علاقہ ہے تو یہاں سبب کی دوسری صورت مراد ہوگی۔ یعنی ذرائع عبادت کے فوت ہونے سے نفس عبادت کا فوت ہونا لازم آئے گا۔

ثالثاً: سوال میں مذکورہ قاعدہ اس سبب کے بارے میں ہے جو انسانوں کا وضع کردہ ہو۔ زیر بحث مسئلہ میں مدارس ومساجد یا علماء وفضلاء کو سبب انسانوں نے نہیں؛ بلکہ خدا نے قرار دیا ہے اور خدا کے متعین کردہ سبب میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔

اب یہاں ایک بات رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مدارس ومساجد اور علماء وفضلاء کو سبب بنانے پر قادر ہے، اسی طرح ان کے علاوہ دیگر اشیاء کو بھی سبب بنانے پر قادر ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ دو ممکنہ صورتوں میں سے جب ایک کو متعین کرلیا جائے تو دوسری صورت کالعدم شمار ہوتی ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا چہ جائے کہ اس کو بنیاد بنا کر معینہ صورت پر اعتراض کیا جائے۔

❁ ❁ ❁

انٹرنیٹ
(نفع وضرر کی میزان میں)

از: مولانا محمد قاسم اوجھاری

ایک لمبے زمانے تک انسان چاند، ستاروں اور سیاروں کی طرف بڑی حیرت وحسرت سے دیکھتا تھا، پھر انسان نے اپنی خودی کو پہچانا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت عقل کے نور سے اس کے اندر شعور و آگاہی کی شمعیں روشن ہوئیں؛ عقل وشعور نے انسان کو بلند خیالی، بلند پرواز، اور بلند فکر ونظر عطا کی؛ اور پھر انسان چاند ستاروں اور سیاروں کی طرف بڑھنے لگا، انسان نے ایجادات کے انبار لگادیے، بہت سی محیر العقول چیزیں ایجاد کرڈالیں، ان ایجادات نے انسانی زندگی کی مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کردیا؛ ان ایجادات میں سے ایک اہم ایجاد انٹرنیٹ کا مواصلاتی نظام ہے۔

بہت عرصہ پہلے امریکہ میں ایک شخص نے خواب دیکھا تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیا کے ہر گھر میں کمپیوٹر ہوگا، پھر اس نے اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ایک کمپنی بنائی، وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ کمپنیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں ترقی ہوتی گئی، اسی ترقی کے نتیجے میں انٹرنیٹ کی ٹیکنالوجی متعارف ہوئی؛ سب سے پہلے امریکہ کے سائنس دانوں نے ۱۹۶۰ء میں نیٹ ورکنگ کا جال بچھایا، جس کا مقصد یہ تھا کہ فوجیوں کو ضروری ہدایات اور معلومات بسرعت پہنچائی جائیں، پھر ۱۹۸۲ء میں انٹرنیٹ عالمی سطح پر کارگر ہوا، پھر ۱۹۹۱ء میں ''یورپین ہائی انرجی فزکس لیبریٹری'' نے ایک ایسے سوفٹ ویئر کو فروغ دیا جس کی مدد سے کسی بھی طرح کی معلومات انٹرنیٹ پر تلاش کی جاسکتی تھیں، اور اس کا نام ''ورلڈ وائڈ ویب'' رکھا، اس ویب نے بہت ہی کم عرصے میں رفتہ رفتہ پوری دنیا کو اپنے دائرے میں لے لیا؛ آج پوری دنیا عموماً اسی ویب کا استعمال کرتی ہے اور اسی کے ساتھ دنیا ''گلوبل ولیج'' کی شکل اختیار کرگئی ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں انٹرنیٹ نے ایک خاص مقبولیت حاصل کرلی ہے، آج انسان نے انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے، انٹرنیٹ ایک آزاد نیٹ ورک ہے، ہر کوئی گھر

بیٹھے ہر قسم کی معلومات، تجربات اور مشاہدات انٹرنیٹ پر شائع کرسکتا ہے، انٹرنیٹ کی رفتار بجلی سے بھی زیادہ سریع السیر ہے، منٹوں اور سکنڈوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کوئی بھی خبر پہنچائی جاسکتی ہے اور دنیا کے حالات سے ہر وقت باخبر رہا جاسکتا ہے، گویا انٹرنیٹ عالمی سطح پر پھیلا ہوا ایک لمبا جال ہے جو انسانی زندگی کا ایک اہم حصہ بنتا جارہا ہے۔ یہ ایسا جال ہے جس میں کروڑوں کمپیوٹر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور جب آپ اپنا کمپیوٹر انٹرنیٹ سے جوڑتے ہیں تو آپ بھی اس جال کا ایک حصہ بن جاتے ہیں اور اب آپ اس جال سے جڑے ہوئے دوسرے کمپیوٹر سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں اور بھیج سکتے ہیں۔ کمپیوٹر کو ٹیلی فون لائن، کیبل لائن اور سٹیلائٹ وغیرہ کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا جاتا ہے۔ اور اب انٹرنیٹ استعمال کرنے کے لیے ''لیپ ٹاپ'' اور ''وائی فائی'' جیسی ٹکنالوجی بھی موجود ہے اور اس سے بھی آسان اور سستی ٹیکنالوجی 2G, 3G, اور 4G ہے جس کے ذریعہ موبائل میں بھی انٹرنیٹ استعمال کیا جاسکتا ہے، جس کو دنیا کی ایک بڑی آبادی استعمال کررہی ہے۔

انٹرنیٹ کو جب نفع وضرر کے میزان میں تولا جاتا ہے تو واضح ہوتا ہے کہ اس کے فوائد بھی کثیر ہیں اور نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں؛ انٹرنیٹ ایک ایسا تباہ کن سوفٹ ویئر ہے جس کے نقصانات سیکڑوں نہیں ہزاروں ہیں، آج معاشرے میں فحاشی و بے حیائی کو عام کرنے میں انٹرنیٹ کلیدی کردار ادا کررہا ہے، فحاشی وعریانی سے لبریز ہزاروں ویب سائٹس انٹرنیٹ پر موجود ہیں، اور نوجوان نسل ان ویب سائٹوں سے جنسی تسکین حاصل کرتے ہیں، انٹرنیٹ پر موجود فلمی ڈرامے اور گانوں نے انسانی ذہنوں پر ایک عجیب کیفیت مسلط کردی ہے، یوٹیوب وغیرہ پر فحاشی وعریانی اور جنسی انارکی پر مشتمل ایسا کثیر مواد موجود ہے جس سے نوجوانوں کی زندگیاں تباہ ہورہی ہیں، فیس بک اور واٹس ایپ وغیرہ نے ناجائز تعلقات کے راستے کھول دیئے ہیں، جس سے نہ صرف اخلاقی اقدار کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں؛ بلکہ جنسی آوارگی کے تمام سامان مہیا ہوگئے ہیں؛ سوشل میڈیا کا استعمال بچوں اور نوجوانوں کو نشے کی لت کی طرح لگتا جارہا ہے؛ امریکی نوجوان طالب علم مارک زکر برگ نے ہارڈ ورڈ یونیورسٹی میں اپنے دوستوں سے رابطے کے لیے فیس بک سوفٹ ویئر بنایا تھا، پھر اس نے چند ہی دن میں پوری برطانیہ میں مقبولیت حاصل کرلی اور پھر رفتہ رفتہ پوری دنیا میں پھیل گیا، اس وقت 548 ملین سے زائد افراد فیس بک کا استعمال کررہے ہیں، جس میں اکثر لوگ نئی نئی دوستیاں صنف مخالف سے قائم کرتے ہیں اور پھر معاملات بہت آگے تک چلے جاتے ہیں، جس کے مشاہدات آئے دن ہوتے رہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اس انٹرنیٹ کے غلط استعمال کی بدولت نہ جانے کتنے نوجوانوں نے اپنی ماؤں بہنوں اور حقیقی رشتہ داروں کے ساتھ منہ کالا کرکے شرم وحیا کا پردہ چاک کیا ہے، کتنے لوگوں نے اپنے گھریلو افراد کے ساتھ غلط تعلقات قائم کرکے انسانیت کی

بدترین مثال پیش کی ہے، انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے جنسی بے راہ روی، فحاشی وعریانیت اور ہر طرح کی بدکاری معاشرے میں ناسور کی طرح پھیلتی جارہی ہے۔ جھوٹی خبریں افواہیں اور غلط پروپیگنڈے انٹرنیٹ کے ذریعہ عام کیے جاتے ہیں جو معاشرے میں بدامنی اور فساد کا سبب بنتے ہیں۔ اسی طرح انٹرنیٹ کے مہلک نقصانات میں بت پرستانہ ومشرکانہ رسوم، معاشی دھاندلیاں، رقومات کی ناجائز منتقلی، ذاتی معلومات کی فریب دہی، جلد دولت مند بننے کے نشہ میں دھوکہ دہی، فریب دہی کے نئے نئے طریقے، دھمکی آمیز پیغامات اور فحش مواد کی ترسیل واشاعت وغیرہ بھی شامل ہے۔

انٹرنیٹ کے جہاں تباہ کن نقصانات ہیں وہیں اس کے فوائد بھی ہیں؛ اس کی اہمیت اور افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، گویا انٹرنیٹ برائیوں اور خوبیوں کا سنگم ہے، ہم انٹرنیٹ کے ذریعے ای میل، ای کامرس، ای بزنس، فائل ٹرانسفر، آن لائن تعلیم، یونیورسٹی اور کمپنیوں کی معلومات، اشیاء، اخبار ورسائل، فلاحی وزرعی تنظیموں کی جانکاری، بینکنگ، تمام طرح کے بلوں کی ادائیگی، اور طبی وسائنسی معلومات وغیرہ حاصل کرسکتے ہیں؛ اور آج کے دور میں انٹرنیٹ نے اہل علم کے لیے بھی بڑی سہولیات پیدا کردی ہیں، بہت سی وہ نایاب کتابیں جن کا حصول دشوار ہے انٹرنیٹ نے بسہولت ہمیں گھر بیٹھے مہیا کردی ہیں، مکتبہ جبریل اور مکتبہ شاملہ وغیرہ نے محققین کے کاموں کو نہایت آسان کردیا ہے، دینی امور کے لیے بھی انٹرنیٹ کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور معاشرے میں ایک صالح انقلاب لایا جاسکتا ہے، صرف انگلی کی ایک جنبش سے دینی پیغامات، احادیث مبارکہ اور شرعی مسائل کروڑوں انسانوں تک پہنچائے جاسکتے ہیں۔

جب کوئی چیز برائی اور خوبیوں کا سنگم ہو تو ظاہر سی بات ہے کہ خوبیوں والے پہلو کو اختیار کرنے میں ہی بھلائی اور کامیابی ہے، ہر چیز کا استعمال کارآمد تب ہی ہوسکتا ہے جب اس کو استعمال کرنے والا اپنی استعداد اور شئے کی افادیت کے اعتبار سے کام میں لائے۔ بیمار کو دوا سے شفا تب ہی مل سکتی ہے جب اس کا استعمال صحیح وقت اور ٹھیک مقدار میں ہو؛ اللہ تعالی نے ہر ذی شعور کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں سے نوازا ہے، جو لوگ مثبت اور تعمیری سوچ رکھتے ہیں اور اپنی سوچ کو اعلی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ یقیناً کامیاب ہوتے ہیں؛ اس لیے ہم یہ نہیں کہتے کہ انٹرنیٹ سے کلی طور پر کنارہ کشی اختیار کی جائے؛ بلکہ مثبت طریقے پر اس کا استعمال کریں، اس سے فائدہ اٹھائیں، تعمیری کام اور جائز مقاصد کے حصول کے لیے اس کو استعمال میں لائیں، اس کے ذریعے اسلامی پیغامات واحکامات دوسروں تک پہنچائیں، دینی مسائل عام کریں، اللہ تعالی ہمیں حدود میں رہ کر انٹرنیٹ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے!

زکوۃ دینے والوں کی خدمت میں

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

مال و دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے؛ اس لیے اسے کلی اختیار ہے کہ وہ انسان کو اس بات کا پابند بنائے کہ کہاں سے کس طرح کمایا جائے اور کہاں کس طرح خرچ کیا جائے۔ زکوۃ ایک اہم ترین مالی عبادت اور اسلام کا بنیادی فریضہ ہے، جسے ہم دردی وغم خواری کے جذبے کو پروان چڑھانے، دولت کی منصفانہ تقسیم کو رواج دینے اور حب مال و دولت پرستی کے زہریلے اثرات سے نفس کو پاک کرنے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ انسانی معیشت کے استحکام و مضبوطی اور فرد و معاشرے کی ظاہری ترقی میں مال و دولت کا کلیدی کردار رہا ہے، جس طرح انسان کے دوران خون میں ذرہ برابر فرق آجائے تو زندگی کو خطرہ لاحق ہوتا ہے، ایسے ہی اگر گردشِ دولت منصفانہ وعادلانہ نہ ہو تو معاشرتی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اسی خطرہ کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکوۃ وصدقات کا نظام قائم فرمایا ہے؛ چناں چہ شرعی اعتبار سے ہر اس مسلمان مرد وعورت پر زکوۃ فرض ہے، جو صاحب نصاب ہو یعنی 613 گرام چاندی یا ساڑھے ستاسی (87.5) گرام سونے کا مالک ہو اور اگر دونوں چیزیں اس مقدار سے کم ہوں تو ان دونوں کی قیمت 613 گرام چاندی کے برابر ہوجائے یا نقد روپے یا تجارت کا سامان 613 گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو اور اگر سب چیزیں تھوڑی تھوڑی ہوں تو ان سب کی قیمت ملا کر 613 گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوجائے تو اس پر پورا ایک سال گذر جانے کے بعد (2.5%) ڈھائی فیصد زکاۃ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

فقہاء کرام کے مطابق زکوۃ کے فرض ہونے کے لیے دس شرائط ہیں: ۱: مسلمان ہونا، کافر پر زکوۃ فرض نہیں۔ ۲: آزاد ہونا، غلام پر زکوۃ فرض نہیں۔ ۳: بالغ ہونا، بچے پر زکوۃ فرض نہیں۔ ۴: عاقل ہونا، مجنون اور دیوانے پر بھی زکوۃ فرض نہیں۔ ۵: مکمل ملکیت کا ہونا، غیر مقبوض مال پر بھی زکوۃ فرض نہیں۔ ۶: صاحب نصاب ہونا (جس کا ابھی ذکر ہوا)۔ ۷: مال کا حاجت اصلیہ (روٹی کپڑا اور مکان وغیرہ)

سے زائد ہونا۔ ۸: اتنا مقروض نہ ہونا کہ اگر قرض ادا کیا جائے تو آدمی صاحب نصاب ہی نہ رہے۔ ۹: ''مال نامی'' یعنی بڑھنے والا مال ہونا، جس کی قیمت بڑھتی رہتی ہو جیسے سونا چاندی غیرہ۔ ۱۰: نصاب پر پورے سال کا گزرنا۔

زکوۃ کے صحیح ہونے کی تین شرطیں:

زکوۃ کے صحیح ہونے کے لیے علماء کرام نے تین شرطیں بتلائی ہیں۔ اگر یہ شرطیں اکٹھی پائی جائیں گی تو زکوۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں۔

پہلی شرط نیت کرنا: نیت کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوتی، نیت دل کے ارادے کا نام ہے، زبان سے زکوۃ کہہ کر دینا ضروری نہیں، زکاۃ کی ادائیگی کے لیے رقم دیتے وقت یا رقم کو جدا کر کے رکھتے وقت نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر رقم دینے کے بعد زکاۃ کی نیت کی گئی تو ایسی نیت شرعاً معتبر نہیں، اور نہ ہی اس طرح سے زکاۃ ادا ہوتی ہے۔

دوسری شرط ضرورت مند کو دینا: سورۃ التوبہ کی آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ (8) ایسے لوگ بتائے ہیں جن کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ یہ مصارف زکوٰۃ کہلاتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1: فقیر یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ مال ہے؛ مگر اتنا نہیں کہ نصاب کو پہنچ جائے یا مال تو بقدرِ نصاب ہے؛ مگر ضروریات اصلیہ کے علاوہ نہیں ہے، اور ضروریات میں رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، استعمال کے برتن وغیرہ سب داخل ہیں۔

2: مسکین یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو، یہاں تک کہ وہ کھانے اور بدن چھپانے کے لیے اس کا محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔

3: عامل یعنی وہ شخص جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ اور عشر لوگوں سے وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو، واضح رہے کہ عامل کے لیے فقیر ہونا شرط نہیں ہے۔

4: مؤلفۃ القلوب یعنی وہ لوگ جن کی دل جوئی کے لیے ان کو صدقات دیئے جاتے تھے، ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے لوگ تھے، غیر مسلموں کی دل جوئی اور اسلام کی ترغیب کے لیے اور نومسلموں کی دل جوئی اور اسلام پر پختہ کرنے کے لیے زکوۃ دی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہوگئی اور کفار کے شر سے بچنے اور نومسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لیے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت بھی ختم ہوگئی،

اس لیے اب ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔

5: رِقاب سے مراد وہ غلام ہے، جس کو آقا نے مال کی کوئی مقدار مقرر کرکے کہہ دیا کہ اتنا مال کما کر ہمیں دو تو تم آزد ہو، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں مکاتب غلام کہا جاتا ہے؛ لیکن واضح رہے کہ اب نہ غلام ہیں اور نہ اس مدّ میں اس رقم کے صرف کرنے کی نوبت آتی ہے۔

6: غارم سے مراد مدیون (مقروض) ہے یعنی اس پر اتنا قرض ہو کہ اسے نکالنے کے بعد صاحب نصاب باقی نہ رہے۔

7: فی سبیل اللہ کے معنی ہیں راہِ خدا میں خرچ کرنا، یہ ایک وسیع المعنی لفظ ہے، دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو محنت ومشقت کی جائے وہ اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے ضرورت مند افراد (غازی، حاجی، طالب علم) اس کا مصداق ہیں۔

8: ابن سبیل سے مراد وہ مسافر شخص ہے، جس کے پاس چاہے اپنے وطن میں نصاب کے برابر مال موجود ہو؛ لیکن سفر میں اس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں، جن سے وہ اپنی سفر کی ضروریات پوری کرکے واپس وطن جاسکے۔ (مستفاد از معارف القرآن)

احناف کے نزدیک ان میں سے کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ دینے سے ادائیگی ہوجائے گی اور دینے والا دینی فریضہ سے سبک دوش ہوجائے گا، خواہ ایک پر صرف کرے خواہ دو پر خواہ زیادہ پر یہ اس کے اپنے اختیار میں ہے۔

تیسری شرط مالک بنانا: مستحق کو مالک بنانا بھی ضروری ہے، مالک نہیں بنایا، صرف اباحت کردی تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی؛ مثلاً کسی غریب کو گھر پہ بلا کر کہا جتنا چاہے کھانا کھالو تو یہ مالک بنانا نہیں ہے؛ بلکہ اباحت ہے اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

حقیقی مستحق تک زکوۃ پہنچایئے!

زکوٰۃ دینے والوں کو ادائیگی زکوٰۃ سے قبل اچھی طرح تحقیق کرلینی چاہیے کہ کیا یہ شخص واقعی زکوٰۃ کا مستحق ہے؟ کیا یہ ادارہ اپنا خارجی وجود رکھتا ہے؟ ان کے یہاں زکوٰۃ کے مصارف ہیں بھی یا نہیں؟ اگر کسی وجہ سے خود تحقیق نہ کرسکیں تو معتبر علماء اور اداروں کی تحقیق پر اعتماد کرسکتے ہیں؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ خود تحقیق کرکے مطمئن ہوجائیں، اگر بلا تحقیق زکوٰۃ دے دی؛ حالاں کہ وہ شخص یا ادارہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح پیشہ ور گداگروں کو زکوۃ دینے سے بچنا چاہیے؛ کیوں کہ جس آدمی کے پاس ایک دن کا کھانا ہو اور ستر ڈھانکنے کے لیے کپڑا ہو اس کے لیے

لوگوں سے مانگنا جائز نہیں ہے، اسی طرح جو آدمی کمانے پر قادر ہو اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر کسی آدمی پر فاقہ ہو یا واقعی کوئی سخت ضرورت پیش آ گئی ہو جس کی وجہ سے وہ انتہائی مجبوری کی بنا پر سوال کرے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مانگنے کو عادت اور پیشہ بنالینا حرام ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص بلاضرورت مانگتا ہے تو قیامت کے دن اس کا یہ مانگنا اس کے چہرے پر زخم بن کر ظاہر ہوگا۔ لہٰذا جن کے بارے میں علم ہو کہ یہ پیشہ ور بھکاری ہیں تو ایسے افراد کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے؛ تاہم اس میں متکبرانہ انداز اختیار نہ کیا جائے، انھیں جھڑکا نہ جائے؛ بلکہ طریقے سے معذرت کرلی جائے۔ اسی طرح کسی خاتون کا بیوہ ہونا اس کو مصارف زکوۃ کی فہرست میں نہیں داخل کرتا۔ بہت سی بیوائیں سونے چاندی کے زیورات کی مالک ہونے کے سبب خود صاحب نصاب ہوتی ہیں، ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

رشتے داروں کا حق مقدم ہے!

عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مال وثروت رکھنے والے احباب ملی اور رفاہی اداروں کے تعاون میں تو بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، جو اچھی بات ہے؛ مگر اپنے ہی خاندان اور قریبی رشتہ داروں کی خبر گیری نہیں کرتے، جب کہ تعاون وامداد کے اولین حق دار یہی لوگ ہیں۔ ارشاد باری ہے: بے شک اللہ تعالی عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ (النحل) آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ امداد وتعاون کا معاملہ کرنا ان پر احسان نہیں ہے؛ بلکہ یہ وہ حق ہے جو اللہ نے اصحاب حیثیت پر ان کے رشتے داروں کے سلسلے میں عائد کیا ہے۔ اکثر لوگ یہاں کوتاہی کا ارتکاب کرتے ہیں: یا تو رشتے داروں کا بالکل تعاون نہیں کرتے یا رشتے داروں کا حق ادا کرکے ان پر احسان جتاتے اور ان کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں، اس طرح اپنی نیکی کو بھی برباد کرلیتے ہیں؛ اسی لیے ایک رشتے دار باوجود غریب اور ضرورتمند ہونے کے اپنے کسی مال دار رشتے دار کا مالی تعاون لینے سے بالعموم گریز کرتا ہے۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج کل خاندان کے بعض افراد تو عیاشی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور انہی کے کئی رشتہ دار روٹی، کپڑے اور چھت کو ترستے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے رشتہ داروں مثلاً بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، ساس، سسر، داماد وغیرہ میں سے جو حاجت منداور مستحق زکوۃ ہوں، انھیں زکوۃ دینی چاہیے؛ اس لیے کہ ان کو دینے میں دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک ثواب زکوۃ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا، جیسا کہ اس مفہوم کی متعدد روایتیں حضور اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ نیز کسی تحفے یا ہدیے کے شکل میں بھی مذکورہ

رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، بس ادائیگی کے وقت زکوٰۃ کی نیت ہونی چاہیے۔

حاجت مندوں کی حاجت کا خیال کیجیے!

زکوۃ کے حوالے سے ایک کوتاہی یہ بھی چلی آرہی ہے کہ کچھ زکوۃ ادا کرنے والے ضرورت مندوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھنے کے بجائے اپنی خواہش کو ترجیح دیتے ہیں اور بڑی مقدار میں بازار سے سستے کپڑے اور دیگر (کم ضروری) چیزیں ہول سیل میں خریدلاتے ہیں، پھر انھیں اعلان کے ذریعہ مستحقین اور غیر مستحقین سب کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں اور بہ زعم خویش فریضۂ زکوۃ سے عہدہ برآ ہوجاتے ہیں؛ حالانکہ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق زکوۃ وصدقات کے سلسلے میں فقراء ومساکین کی منفعت ملحوظ رکھنی چاہیے۔ نیز قرآن کریم میں عمدہ مال سے صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور گھٹیا مال سے صدقہ کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے؛ چنانچہ ایک جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے، جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لیے) خرچ نہ کرو، جو تمہیں محبوب ہیں''۔ (آل عمران) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا کرو، اور یہ نیت نہ رکھو کہ بس ایسی خراب قسم کی چیزیں (اللہ کے نام پر) دیا کرو گے، جو (اگر کوئی دوسرا تمہیں دے، تو نفرت کے مارے) تم اسے آنکھیں میچے بغیر نہ لے سکو۔'' (بقرۃ)

خلاصۂ کلام:

الغرض ہر صاحب نصاب کی ذمہ داری ہے کہ وہ خوش دلی سے سال بہ سال اپنی زکاۃ ادا کرے، زکاۃ ادا کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے، اپنے مستحق رشتے داروں سے تعاون کا آغاز کرے اور اچھے سے اچھا مال راہ خدا میں صرف کرے۔ شہرت وریاکاری اور احسان جتلانے کے ذریعہ اپنی اس عبادت کو باطل نہ کرے؛ بل کہ لینے والے کو اپنا محسن سمجھے اور نبی پاک ﷺ کا یہ فرمان ملحوظ خاطر رکھے: صدقہ دیا کرو! ایک ایسا زمانہ بھی تم پر آنے والا ہے جب ایک شخص اپنے مال کا صدقہ لے کر نکلے گا اور کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں پائے گا۔ (جس کے پاس صدقہ لے کر جائے گا) وہ یہ جواب دے گا کہ اگر تم کل اسے لائے ہوتے تو میں اسے قبول کرلیتا آج تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (بخاری)

❁ ❁ ❁

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ

(خاکہ، زبان و بیان اور شاعرانہ عبقریت)

(۲)

بہ قلم: ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

شاعری

حضرت حکیم الاسلام دیدہ ور فقیہ، بے مثال خطیب، باریک بیں محدث دور بیں منتظم، باکمال مصنف، ژرف نگاہ مفکر اور وسیع نظر مدرس تو تھے ہی؛ زبان وادب، نظم ونثر کے رمز شناس زبان داں بھی تھے اور سب سے بڑھ کر وہ اپنے دادا کا عکسِ جمیل تھے، ان کی کتابِ زندگی کا ہر عنوان پرکشش تھا، ان کے فکر وفن کے نگارخانے کا ہر زاویہ اپنی رونق اور جدت طرازی میں دعوتِ نظارہ دیتا ہوا نظر آتا تھا۔

اپنی واردات قلبی کو شاعرانہ قالب میں ڈھالنے کا ہنر جانتے تھے، شاعری میں انھیں یدطولیٰ حاصل تھا؛ بلکہ شاعری ان کا طُرۂ امتیاز تھی، اگرچہ انھوں نے شاعری کو اپنا مشغلہ نہیں بنایا؛ مگر سوزِ دروں نے جب بھی بے قرار کیا خود بخود جذبات واحساسات موزوں ہوتے چلے گئے، نہ اس کے لیے آپ کی مصروفیت مانع ہوئی اور نہ ہی ہجوم افکار، الفاظ، تراکیب، صنائع، بدائع، تخیل کی بلندی، مضامین کی بالیدگی، نکتہ آفرینی، اصولِ شاعری کی پابندی؛ غرض یہ کہ سارے شعری محاسن کلام میں موجود ہوتے، بڑے بڑے ادیب اور شاعر داد دیے بغیر نہ رہتے! حضرت مولانا عبدالحفیظ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اسلام کی روانی'' اور ''آنکھ کی کہانی'' دونوں پر ایک جامع تجزیہ تحریر فرمایا ہے، آیئے اس سے استفادہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

چوں کہ حضرت حکیم الاسلام نمونۂ اسلاف اور ان کے علوم ومعارف کے امین ووارث تھے؛ اس لیے ان کا ادب وشعر بھی اسلام کے محور پر گھومتا ہے، اسلاف کی روش سے کہیں انحراف نہیں ملتا اور نہ

ہی ان کی شاعری میں آورد ہے، کسی شخصیت سے متاثر ہوئے یا واقعات وحوادث نظر سے گذرے اور انھوں نے اظہار جذبات پر مجبور کیا تو خیالات وتاثرات اشعار کے سانچے میں ڈھلتے گئے اور ادبی دنیا میں ایک وقیع اضافہ ہوتا گیا، شعر وشاعری مستقل مشغلہ نہیں تھا اور ایک عالم باعمل اس کو مشغلہ بنائے بھی تو کیسے؟ کتاب وسنت کی اجازت تو محدود ہے، ان حدود سے حکیم الاسلامؒ قدم باہر کیسے نکال سکتے تھے؟ پھر اسلاف کے جو وارث وامین تھے تو نرے شاعر کیسے ہوسکتے تھے؟ ہاں جو کچھ کہا اور شاعری کے جو نمونے منظر عام پر آئے وہ اپنی نظیر آپ ہیں، شاعرانہ محاسن پر تو حیرت ہوتی ہے کہ تمام مصروفیات اور علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ اتنی اچھی شاعری کیسے وجود میں آگئی، جس کی داد وتحسین صاحب طرز ادیب ونقاد عبدالماجد دریابادیؒ کے قلم حقیقت رقم سے بھی نکلی۔ جی چاہتا ہے کہ مولانا دریابادیؒ کے الفاظ آپ کو اسی موقع پر سنا دیے جائیں تو لیجیے سماعت فرمایئے:

حضرت محترم، السلام علیکم

''آنکھ کی کہانی'' آں محترم کا عطیہ، یہاں آتے ہی پڑھ ڈالی، سبحان اللہ، ماشاء اللہ مجھے علم نہ تھا کہ آپ کو شعر ونظم پر بھی اس درجہ قدرت حاصل ہے، ذٰلک فضل اللہ، کیا کیا قافیے نکالے ہیں؟ کیسے کیسے مضمون باندھے ہیں کہ پیشہ ور شاعروں کے بھی چھکے چھوٹ جائیں! نہ کہیں جھول، نہ اتنی طویل نظم میں کہیں آورد، بس آمد ہی آمد، خوش دماغ تو بہ حیثیت ایک سچے قاسم زادہ کے آپ تھے ہی، اب معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ خوش فکر بھی اسی درجہ میں ہیں''۔ ماشاء اللہ دعا گو ودعا جو

عبدالماجد

۱۵/دسمبر ۱۹۶۴ء

اس داد وتحسین کے بعد کسی اور داد کی ضرورت بھی کیا رہ جاتی ہے؛ لیکن انسانی فطرت اور اختلافِ ذوق وفکر کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا، ہر صاحبِ فکر وفن کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے زاویۂ فکر ونظر کے مطابق کلام کا جائزہ لے؛ چناں چہ بہت سے اربابِ فن نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی شعر وشاعری پر بہترین تبصرے کیے اور قادر الکلامی کی بھرپور داد دی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کی تمام نظموں میں ''اسلام کی روانی'' اور ''آنکھ کی کہانی'' کو امتیاز حاصل ہے، اکبر الٰہ آبادی مرحوم کی نظم ''پانی کی روانی'' کی زمین میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے اسلامی ذہن وفکر کے جلو میں ''اسلام کی روانی'' میں جو روانی طبع دکھائی ہے وہ ہر زاویہ سے ''پانی کی روانی'' سے کم نہیں؛ بلکہ ''اسلام کی روانی'' کے حسن کو دوچند کردیا ہے؛ نظم خاصی طویل ہے؛ لیکن زورِ بیان،

روانی و برجستگی اور حقیقت بیانی میں کہیں جھول نظر نہیں آتا۔ اس کو قادرالکلامی اور شاعرانہ کمال نہ کہیے تو کیا کہیے؟ چند اشعار آپ بھی سماعت فرمالیں تو ہمنوائی میں ذرا تامل نہ ہوگا، لسان العصر اکبرالہ آبادی مرحوم ان الفاظ میں اس نظم کی داد دے چکے ہیں۔

''مولانا محمد طیب صاحبؒ کی نظم ''روانی اسلام'' نظر سے گذری۔ ماشاء اللہ وصل علی، جزاک اللہ، نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد زاول، خاکسار: اکبر۔

ہاں تو مرحوم اکبرالہ آبادیؒ کے اعترافِ کمال کے بعد اشعار کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بھی مشکل تو لیجیے اشعار سماعت فرمایئے۔

چلا ارضِ بطحا سے اِک بحر زاخر ❁ کہ تھا جس کی موجوں کا اوّل نہ آخر
وہ توحید کی نَے بجاتا ہوا ❁ سُرودِ حجازی میں گاتا ہوا
وہ جنگل میں منگل مناتا ہوا ❁ وہ شہروں میں شادی رچاتا ہوا
پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا ❁ سمندر میں طوفاں اٹھاتا ہوا
ضلالت کے پیڑوں کو ڈھاتا ہوا ❁ زمانہ میں اُدّھم مچاتا ہوا
محیطِ زمیں پر وہ چھاتا ہوا ❁ خبائث کی وسعت گھٹاتا ہوا
بتوں سے وہ رشتے تُڑاتا ہوا ❁ وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا

یہ ہے ''اسلام کی روانی'' جس کی روانی پر علماء وحکماء انگشت بدنداں؛ تو ادباء شعراء محوحیرت! اس میں فنی محاسن کیا ہیں؟ جن کو دیکھ دیکھ اہل فن عش عش کررہے ہیں، تفصیل میں کیوں جایئے، یہی جو چند اشعار پیش کیے گئے، انھیں کا حسن دیکھ لیجیے، جنگل میں منگل منانا، کون نہیں جانتا کہ مشہور محاورہ ہے اس کو کس خوبصورتی سے مصرع میں موزوں کیا گیا ہے اور محاورہ کو زمین سے اٹھا کر آسمان کی رفعتوں تک پہنچادیا گیا ہے، یہ بھی نظر میں رہے کہ عرب کی سرزمین کیا تھی اور بروقت بھی کیا ہے؟ اس تناظر میں دیکھیے تو محاورہ محض تخیل کی پرواز، حقیقت کا عکاس ہے، اسی طرح لَے اور سرود کی مناسبت نے شعری حسن میں اضافہ کردیا ہے، پہاڑوں پر صدائے توحید بلند کرنا حقیقت ہے، فاران کی چوٹیوں کا آج بھی نعرۂ توحید بلند کرنا حقیقت ہے، فاران کی چوٹیاں آج بھی نعرۂ توحید کی تاثیر سے رشکِ آسماں ہیں، بتوں سے رشتے ناتے تڑاتا اور خدا سے رشتہ جوڑ دینا تجنیس معنوی کی اچھی مثال ہے، ان اشارات سے مقصود صرف اتنا ہے اور اشعار میں صرف روانی ہی نہیں محاسن شعری بھی جگمگا رہے ہیں۔

اب آیئے مشہور ترین نظم ''آنکھ کی کہانی'' پر آنکھیں جمائیں اور دیکھیں کہ بیمار آنکھ نے کیا کیا

رنگ دکھائے ہیں، روانی و برجستگی کا تو کہنا ہی کیا، اظہار واقعہ میں بھی کہیں جھول نظر نہیں آتا اور جہاں آنکھ کے کارنامے اور محاورے باندھے ہیں ان میں تغزل کا رنگ اتنا چمک گیا ہے کہ آنکھ کام نہیں کرتی اور محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے گو غزلیں نہیں کہی ہیں؛ لیکن غزل گوئی پر پوری قدرت حاصل تھی، چند اشعار آپ بھی سماعت فرمالیں تو دل میں گدگدی اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوجائے، یوں تو پوری کہانی سننے اور پڑھنے کے لائق، آمد ہی آمد، آورد کا کہیں نام ونشان نہیں۔ ہر شعر میں محاسن شعری کا حسن اور ہر شعر میں واقعیت کی کشش، مبالغہ آرائی کو راہ ہی نہیں مل سکی اور شاعر کا کمال یہی ہے کہ اس نے واقعیت کو پُرکشش بنادیا ہے، مبالغہ آرائی وہ شعراء کریں جو اس کے بغیر شاعری کے میدان میں نہیں اتر سکتے، حکیم الاسلامؒ نے میدان شعروادب کو ایک نئی سمت عطا کی ہے اور نیا رجحان پیش کیا ہے، نظامی گنجوی کا فارمولہ ''احسن اوست اکذب اوست'' سر پٹختا ہوا نظر آرہا ہے اور حکیم الاسلامؒ کی شاعری آنکھ دکھارہی ہے تو لیجیے آنکھ کے چند اشعار پر آنکھ جماہی دیجیے:

ہو کھلی آنکھ تو اس سے ہے ظہورِ اعیان — اور ہو بند تو ہے زیرِ نظر عالمِ خواب
آنکھ کھل جائے جو بھرپور، ہے بجلی دل پر — نیم وا ہو، تو بھری اُس میں مستیٔ شراب
آنکھ نیچی ہو، تو ہے نورِ حیا کا چشمہ — اور اُٹھ جائے تو ہے نارِ فروزانِ عتاب
آنکھ پھر جائے تو ہے شعلۂ نفرت کی بھڑک — اور بھر آئے تو ہے بارشِ رحمت کا سحاب
آنکھ ترچھی ہو، تو پھٹ جائے قضاءِ پیشیں — اور سیدھی ہو، تو سیدھا ہے جہانِ اسباب
آنکھ گرامن پسند ہے، تو ہے دل بھی آزاد — آنکھ لڑ جائے، تو پھر دل ہے گرفتارِ عذاب
آگئی آنکھ تو کہتے ہیں کہ بیمار ہوئی — اور نہ آئی تو سمجھتے ہیں صحیح اور صواب
چشم حق بیں ہو تو ہے نافعِ دین ودنیا — چشم بد بیں تو دارین کا خُسران وعذاب
آنکھیں دو ہیں تو وہ ہیں کاشفِ الوانِ جہاں — چار ہوجائیں تو ہیں سرمحبت کا نقاب
کشش ودفع کی نظریں ہیں بہم آنکھوں میں — پُرکشش تارِ نظر تیرِ نظر وجہ عذاب
تیراندازی نگاہوں سے ہے آنکھوں کا عمل — آنکھ کے سارے ہی ایام ہیں یوم الاحزاب
خبرِ مہرو وفا لائے اگر خمارِ نگاہ — یہی ایام پھر ہوجاتے ہیں یوم الاحباب
غرض آنکھوں کا کوئی رُخ نہیں بے کار وقبیح — ہو تو دنیا ہے، نہ ہو گر تو زہے یوم حساب

حضرت حکیم الاسلامؒ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ ان کے وفور علم اور پروازِ خیال نے آنکھ کے ایسے نظارے کرائے ہیں جو دیدہ وروں کے بھی خواب وخیال میں نہیں آتے، دیکھنا تو درکنار؛ لیکن کہانی

کا رنگ یہی ایک نہیں؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کہاں ہفت رنگ اور قوسِ قزح ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس ''آنکھ کی کہانی'' کا آغاز قدیم شعراء کی طرز پر حمد ونعت سے ہوا ہے، اس میں بھی شاعر نے خوبصورت مضمون باندھے ہیں اور طبع رسانے، دیدہ زیب گلکاریاں کی ہیں، حمد کا پہلا شعر ہے، سماعت فرمائیے۔

مستحق حمد و ثنا کا ہے خدائے وہاب
جس نے دی آنکھ ہمیں آنکھ کو دی نور سے آب

حمد کے بعد نعت پاک کے اشعار ہیں وہ بھی اپنے رنگ میں منفرد اور آنکھ کی رعایت سے پاکیزہ مضامین سے صاف وشفاف کہ آنکھ نہ ہٹے، دو شعر آپ بھی سن لیں، کیا خوب نعت کے اشعار ہیں۔

نعت وتوصیف ہے اُس ذاتِ مقدس کے لیے
دل کی بند آنکھ کے جس ذات نے کھولے ابواب

ختم جس ذات پہ ہے عینِ نبوت کا کمال
خوشہ چیں جن کے ہیں انسان وملک اور دَواب

حمد ونعت کے بعد حکیم الاسلامؒ نے صحابۂ کرامؓ کی مدح ومنقبت میں چند اشعار کہے ہیں اور قرآنی ترتیب کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اس کو اگر حکیم الاسلامؒ نہ پورا کرتے تو کون کرتا؟ جس درجہ میں جس کی محبت ہونی چاہیے اور جس طرح محبت کا اظہار ہونا چاہیے، حکیم الاسلامؒ کے اشعار میں آداب ومحبت کے وہ سب رموز پائے جاتے ہیں، مدح وثنا کا پہلا ہی شعر دل ودماغ کے تاروں کو چھیڑ دیتا ہے اور سامع پر صحابۂ کرامؓ کی عظمت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ سماعت فرمائیے۔

مدح اعلیٰ کے ہیں حقدار وہ اصحابِ نبی
عقل کو آنکھ ملی جن سے بآیاتِ کتاب

اشعار تو ایک سے بڑھ کر ایک، کسی پر نہ انگشت نمائی کی گنجائش اور نہ آنکھ دکھانے کی مجال، ہاں ہر شعر دل میں بسانے کے قابل اور آنکھوں میں کھپ جانے والا دیکھیے کیا شعر کہا ہے۔

جو ہیں اُمت کے لیے علم وعمل کا معیار
راہ بینا کی ہے، اُن ہی کے رسوم وآداب

آنکھ اُن کی تھی نظر اُن کی، بصیرت اُن کی
اُن کے آثار سے روشن ہیں بیوت وابواب

حمد ونعت اور مدحِ صحابہؓ کے بعد متعدد عنوانات کے تحت بصیرت افروز مضامین کی جھڑی نظر آتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سلسلہ عالم ناسوت سے نہیں کسی اور جہان سے ہے۔ کہاں تک تفصیل بیان کیجیے، صرف عنوانات سنا دیئے جائیں تو غواصِ معانی کی جودتِ غواصی کا اندازہ ہوجائے، لیجیے عناوین سن لیجیے اور شاعر کی طبع رسا کو داد دیجیے۔

آنکھ کی اہمیت، آنکھ کی افادیت کے مختلف پہلو، آنکھ کے جامع مقامات، آنکھ کی اصلی اور سابقہ کیفیت، آنکھوں میں تغیر، تلاش علاج معالجہ کا آغاز، معالجہ کی کیفیت، تعمیرِ نو، انکشافِ عالمِ خواب، نتیجۂ علاج، پرہیز اور احتیاط کی بندشیں، تسلی اور اطمینان دہانی، معاون کریم، شکریہ اور دعا، نتیجہ اور خاتمۂ کلام، تتمہ کلام اور چشمۂ صافی۔ یہ عناوین آنکھ کی کہانی حصہ اوّل کے تھے۔

کہانی کا ''دوسرا حصہ'' بھی ہے، اس کا آغاز بھی حسب سابق حمد سے ہوا ہے، اس میں بھی متعدد عناوین ہیں اس حصہ میں بھی رنگ وآہنگ وہی ہے، وہی قافیہ، مضامین کی ندرت، روانی وبرجستگی اور بندش کی خوبیاں، کہیں نہ کوئی جھول اور نہ آورد کا شبہ، عنوانات بھی جداگانہ، ذرا سنیے تو سہی، عناوین یہ ہیں۔

حمد الٰہی، ربوبیت کا مقام، ربوبیت مجمع صفات ہے، ربوبیت اور رحمت، ربوبیت اور مالکیت، ربوبیت اور قہر، ربوبیت اور حفظ ونصرت، ربوبیت اور غنا وعطا، ربوبیت اور صمدیت، ربوبیت اور حلم ربوبیت کا منشا معرفت ہے، ہر انقلاب مال پر رب کا سوال، ربوبیت کی جامعیت، حمد جامع اعتراف ربوبیت ہی سے ممکن ہے۔ ہر انقلاب مال پر رب کا سوال، ربوبیت ہی سے قائم ہے، توحید ربوبیت، ربوبیت مجازی اس عنوان کے تحت بارہ عنوانات ہیں۔ اسی طرح ''نعتِ رسالت پناہی'' کے تحت آٹھ عناوین ہیں، نعت کے بعد دوسری آنکھ کی نوبت آگئی، اس کی کہانی تمہید سے شروع ہوتی ہے اور پینتیس عناوین میں کہانی مکمل ہوجاتی ہے، دونوں حصوں میں سات سو اشعار ہیں، دائیں آنکھ کے آپریشن کے موقع پر جو اشعار موزوں ہوئے تھے کون سوچ سکتا تھا کہ دوسال کے بعد بائیں آنکھ کے آپریشن پر نئے مضامین نئی سج دھج کے ساتھ اتنے ہی اشعار پر مشتمل مزید موزوں ہوجائیں گے، اس کی حیرت انگیزی پر کس کو شبہ ہوسکتا ہے؛ یکساں حالات کے باوجود اشعار بالکل نئے مضامین کے ساتھ اپنی داد لینے کے لیے منظر عام پر ایک ایک شعر کے محاسن تک گنائے جائیں، اشعار سے لطف اندوزی کا تعلق تو سننے اور پڑھنے سے ہے، خواہ یہ ''اسلام کی روانی'' کے اشعار ہوں یا ''آنکھ کی کہانی'' کے جس عنوان کے تحت نظمیں لکھی گئی ہیں، وہ اردو ادب وشاعری میں وقیع اضافہ ہیں؛ کیوں کہ ان تمام نظموں کا تعلق تخیلات سے نہیں واردات وتاثرات سے ہے، مجموعۂ کلام میں ستاون عناوین کے

تحت نظمیں جمع کی گئی ہیں، ان میں قند پارسی کی چاشنی بھی ہے اور عربی کا زورِ بیان بھی، طویل نعت کے بعد ''بارگاہِ نبوت میں فریاد'' کے جو فریادی اشعار ہیں، اس کا ہر شعر اضطرابِ قلب اور سوزِ دروں کا آئینہ دار ہے محسوس ہوتا ہے کہ امت کا حالِ زبوں دیکھ کر شاعر کا دل پارہ پارہ ہے اور اس نے جگر لخت لخت کیا ہے اور پھر بند کا یہ شعر اس خطاب کے بعد مدعا کا آئینہ ہے، ملاحظہ فرمائیے:

بنگر سوئے امتِ شکستہ ❁ جاں باختہ، دل بجاں گُسستہ

جی چاہتا ہے کہ فریاد کے آخری بند کے چند اشعار جو فریاد کی روح اور قلب حزیں کا مظہر ہیں پیش کردیے جائیں، سماعت فرمائیے:

چشمے بمنِ گدائے خستہ — گوشے بصدائے دل گرفتہ
چشم وجگر ودل و دماغم — ماتم کدۂ بہارِ رفتہ
آں رشتہ کہ رشتۂ خدا بود — حسرت کہ زدستِ قوم رُستہ
قسمت کہ شدہ ست پارہ پارہ — شیرازۂ دیں کہ بود بستہ
سلکے کہ زدُرِّ آبگوں بود — اے آہ کنوں زسنگ سفتہ
کوشے کہ زمُحدثات وبدعات — مخلوط کنیم دین شُستہ

فریاد کا آخری شعر ہے:

برخیز کہ خالی انجمن شد ❁ بے برگ وثمر ہمہ چمن شد

کہنا چاہیے کہ شاعر نے اپنا دل وجگر نکال کر رکھ دیا ہے اور بارگاہِ رسالت پناہی میں عقیدت کے پھول ہی نچھاور نہیں کیے ہیں؛ بلکہ امت کی کس مپرسی پیش کرکے سفینۂ ملت کو ساحل سے ہمکنار کرنے کی فریاد کی ہے، خواجہ الطاف حسین حالؔی نے اپنا دردِ دل ہندی ساز پر چھیڑا ہے تو حضرت حکیم الاسلامؒ نے فارسی کی شیرینی میں اپنا درد کھول دیا ہے۔ دونوں بزرگوں کی فریادیں آمنے سامنے رکھ کر پڑھیے تو قلب وجگر پر عجیب کیفیت طاری ہوگی۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آج عجب وقت پڑا ہے

یہ درد وغم، سوز وگداز اور دل ربودگی ان مرثیوں میں بھی ہے جو حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر بزرگوں کی وفات پر لکھے گئے ہیں، کہاں تک ایک ایک نظم کا تعارف کرائیے اور اشعار کی داد دیجیے، ہر نظم اس کی متقاضی ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور ہر شعر ایسا کہ اس پر سر دُھنا جائے، مجموعۂ کلام کی ضخامت ۲۸۰

آخری صفحات میں عربی کلام ہے، ہے تو مختصر؛ لیکن عربی پر عبور وقدرت کا مظہر ہے، پہلی نظم فکاہیہ ہے، پہلا مصرعہ عربی میں ہے اور دوسرے مصرع کا قافیہ اردو ہے، نظم بھی ماشاء اللہ طویل سوا شعار پر مشتمل ہے، خاصی دلچسپ اور حکیمانہ مضامین سے معمور ومرU ، دوایک شعر ضیافتِ طبع کے لیے حاضر ہیں، سنیے اور لطف اٹھایئے۔

ألا يا صديقي أُتركِ الدَّهرَ كلَّه
فَإنَّ متاعَ الدهرِ لَغوٌ وَبُوگسٌ
وَمَا هِيَ اِلَّا زينَةٌ ذاتَ كُدرةٍ
وقِشرٌ بلا لُبٍّ وقصبٌ بلا رَس

دوسری طویل نظم مشاہیرِ امت کے عنوان سے ہے، اس میں مشاہیرِ امت کا مختصر ترین تعارف، نہایت بلیغ انداز میں پیش کیا گیا ہے، مشاہیر بالترتیب یہ ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ، اخلاق وعلمِ نبوت اور علمِ انساب میں، حضرت عمرؓ شدت دینِ حنیف میں، حضرت عثمانؓ صفت حیاء میں، حضرت علیؓ علم وقضا میں، حضرت ابوذر غفاریؓ حق گوئی میں، حضرت ابوعبیدہ امانت داری میں، حضرت خالد بن ولیدؓ شجاعت میں، حضرت ابی بن کعبؓ علمِ تجوید وقراءت میں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ علم تفسیر میں، حضرت زید بن ثابتؓ علم فرائض میں، حضرت حسن بصریؒ وعظ میں، حضرت وہب بن منبہؒ علمِ قصص وتاریخ میں، حضرت محمد بن سیرینؒ علمِ تعبیر رویا میں، حضرت جنید بغدادیؒ علمِ تصوف میں، حضرت فضیل بن عیاضؒ علمِ معرفت میں، حضرت نافع مدنیؒ علمِ قراءت میں، حضرت مقاتل بن سلیمان علمِ تاویل القرآن میں، محمد بن السائب کلبی علم القصص میں، امام اعظم ابوحنیفہؒ علم الفقہ میں، امام شافعیؒ علمِ معرفۃ الحدیث میں، امام مالکؒ علم الحدیث میں، امام احمد بن حنبلؒ عمل بالسنۃ میں، حضرت علی بن المدینی علم معرفۃ العلل میں، حضرت محمد بن نصر علم خلافیات میں، ابوالقاسم علم العوالی میں، ابن اسحاق علم المغازی میں، یحییٰ بن معین علم اسماء الرجال میں، امام بخاریؒ علم نقد حدیث میں، ابن مندہ سیاحت میں، ابن حزم ظاہری فنِ ظواہر میں، ابوالحسن اشعری علم کلام میں، خطیب بغدادی علم اداء قرآن میں، محمد بن زکریا رازی علم طب میں، ابومحمد حریری فن ادب میں، حبیب الطائی علم الشعر میں، بختری علم تشبیہ میں، ابوالفرج اصبہانی علم محاضرۃ الادباء میں، قاضی فاضل صنعتِ انشاء میں، ابن نباتہ فن خطابت میں، اصمعی علم النوادر میں، سیبویہ علم النحو میں، خلیل ابن احمد علم عروض میں، ابومحشر علم نجوم میں، علی بن ہلال صنعت خوش نویسی میں، شیخ بوعلی سینا فنِ منطق میں، ابوعلی جبائی صنعت اعتزال میں،

موصلی اور معبد فنِ موسیقی میں، ابوالحسن کذاب صفتِ کذب میں، عطار سلمی صفت بزدلی میں، اَشعب طماع صفتِ طمع میں اور مادر صفت بخل میں۔

یہ وہ مشاہیر امت ہیں جن کو امام ذہبیؒ نے اپنی تحریر میں علم وفن کی تعیین کے ساتھ بیان کیا تھا علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء میں ان مشاہیر کو بجنسہٖ نقل کردیا ہے، حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ نے علامہ سیوطی کے بیان کو نہایت بلیغ انداز میں اشعار کا جامہ پہنادیا ہے۔

مشاہیر امت کے علاوہ دو نظمیں اور اسی مجموعہ میں شامل ہیں، حیرت ہے کہ شاعر گرامی مرتبت نے یہ عربی اشعار زمانۂ طالب علمی میں کہے ہیں جب وہ حماسہ پڑھ رہے تھے، ہاں حماسہ کے استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ تھے جن کے ادب وشعر کا چرچا علمی حلقو میں تو تھا ہی، عوام میں بھی ادبی مجلسوں کی صدائے بازگشت سنائی دیتی تھی تو آپ تینوں زبانوں میں شاعری کا لطف اٹھا چکے ہیں، محاسن شعری بھی آپ کی نظر میں ہوں گے؛ لیکن جی چاہتا ہے کہ چند محاسن شعری کو اجاگر کردیا جائے اور حسن کی داد دی جائے۔

شاعری کا ایک حسن سہلِ ممتنع ہے، اس کو کمالِ حسن بھی کہتے ہیں لیجیے ایک شعر زبان پر آگیا جو بلاغت کی بھی داد چاہتا ہے۔

آگئی آنکھ تو کہتے ہیں کہ بیمار ہوئی
اور نہ آئی تو سمجھتے ہیں صحیح وصواب

ذرا توجہ دیجیے تو استعارہ کی ہر قسم کے جلوے نظر آتے ہیں، استعارہ بالتصرح ہو یا استعارہ بالکنایہ، استعارۂ بلیغ ہو یا استعارۂ تمثیلیہ، استعارۂ عامیہ ہو یا استعارۂ عنادیہ، استعارۂ غریبہ ہو یا استعارۂ وفاقیہ، سب کچھ مجموعہ کلام میں موجود، دیکھیے استعارہ بالتصریح کا شعر سامنے آیا اس کو کیسے نظر انداز کردیا جائے۔

آنکھ نافذ ہے کتابوں میں مثال سوزن
کیا تعجب ہے، کہیں گر کہ ہے آنکھ اہل کتاب

اسی طرح استخدام، تضاد، حسن تعلیل اور دیگر صنعتوں کے اشعار مجموعۂ کلام میں جابجا موجود ہیں، اہلِ فن نے ان کو بہ نظرِ استحسان دیکھا ہے اور مرور ایام کے ساتھ ان کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

ہاں اس شعری مجموعہ اور حضرت حکیم الاسلامؒ کی شاعری کا ایک اہم گوشہ تو رہا ہی جاتا ہے وہ ہے

تصوف اور عرفانِ حقیقت، کوئی عنوان دیکھیے اس میں تصوف کی چاشنی ضرور ملے گی، حق بھی یہی تھا کہ مجاز کو حقیقت سے آشنا کردیتے اور وہ حقائق جو پردۂ خفا میں تھے ان کی نقاب الٹ، سب کے روبرو کردیتے، آخر تھے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل؛ اس لیے حب تصوف کی جولان گاہ میں قدم رکھا تو گوئے سبقت لے گئے، عشق ومحبت کے حدود وآداب کی پاسداری اسی تصوف اور عرفان حقیقت کا نتیجہ ہے، منصور نے ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کیا تو کسی نے "سبحانی ما اعظم شانی" کہہ کر عشق کو بے حجاب کردیا، حکیم الاسلام نے رازداروں کو افشار کرنے پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہی تصوف کی روح ہیں، دیکھیے حضرت حکیم الاسلامؒ کے اشعار میں شریعت وتصوف دو جداگانہ راستے نہیں، ایک ہی نظر آتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تصوف شریعت سے جدا نہیں؛ بلکہ اس کی آب وآبرو ہے، اب ذرا حضرت حکیم الاسلامؒ کے اشعار میں عشق ومحبت کے حدود وآداب کی پاسداری ملاحظہ فرمائیے۔

اے نواؔ انا الحق ترا کہنا تھا بجا
پر نہیں پاسِ ادب عشق میں دعویٰ ہونا

ہے اَنا عشق میں اک رازِ درونِ پردہ
پر نہیں راز کا حق ، راز کا افشا ہونا

عشق خود دار ہے خود راز درونِ عشاق
عشق کی خامی و رسوائی ہے لب وا ہونا

شور برپا نہ ہو ہر ایک بلا ہو برسر
یاں ہے برسر ہی ہنر عیب ہے برپا ہونا

اپنے آپے میں خودی ہو تو خودی ہے ورنہ
اپنے آپے سے گذرنا ہی ہے رُسوا ہونا

''انا الحق'' کے عنوان سے عشق ومحبت کے جو اسرار ورموز اور آداب سامنے آئے ہیں وہ نہ صرف تصوف کا پتہ دیتے ہیں؛ بلکہ عرفانِ حقیقت کی سراغ رسانی بھی کرتے ہیں، یہ تو ایک نظم کے چند اشعار ہیں ''آنکھ کی کہانی'' میں بھی ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے جن میں تصوف کا گہرا رنگ ہے اور شاعر نے اپنی مقصد زندگی نہایت سادگی سے بیان کی ہے:

مقصد زندگی ہے طاعتِ حق ❁ نہ کہ فکر جہاں میں پڑنا ہے

یہی ہے وہ تصوف وسلوک جو حکیم الامتؒ کے فیض صحبت نے حکیم الاسلامؒ کے دامنِ علم کو آہ سحر گاہی سے آشنا کر دیا اور ہزاروں بندگانِ خدا نے اپنی عاقبت سنوار لی۔ (حیات طیب، ص۱۴۹-۱۵۸ مع حذف واضافہ)

غرض یہ کہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنی شاعری میں واردات قلبی اور شعور ذہنی کو شاعری کا حسین جامہ پہنا دیا ہے اور علوم ومعارف کے وہ معانی سمو دیے ہیں جن کی مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی، محاسنِ لفظیہ اور معنویہ سے لبریز نظمیہ شاعری کے نگار خانے کا نظارہ صرف نگاہوں کو نہیں دل ودماغ کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ چوں کہ بات دراز نفس ہوتی جارہی ہے؛ اس لیے موصوف کی دیگر مطبوعہ اور جملہ غیر مطبوعہ شاعری پر کسی اور مجلس میں گفتگو کریں گے۔ وباللہ التوفیق!

❁ ❁ ❁

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور تحریک اردو
(۲)

از: مولانا ابرار احمد اجراوی
بی ایم کالج، رہیکا، مدھوبنی، بہار

مولانا نے صرف پارلیمنٹ کی چہار دیواری میں ہی نہیں، بلکہ پارلیمنٹ کے باہر بھی، جمعیۃ علماء ہند اور مختلف قومی وملی اور لسانی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے اردو کے حقوق کے تحفظ اور اس کی بازیابی کے لیے انتھک جدو جہد کی۔ ۱۹۵۰ء میں مولانا انجمن ترقی اردو دہلی شاخ کی مجلس عاملہ میں شامل ہوئے اور ۱۲؍سال تک تمام تر ضعف کے باوجود اس کی ہر میٹنگ اور اجلاس میں شریک ہوتے رہے۔ مجلس عاملہ کی آخری میٹنگ منعقدہ ۲۵؍نومبر ۱۹۶۱ء میں بھی وہ بخار اور کھانسی کی شدید حالت میں کمبل لپیٹ کر شریک ہوئے۔

پارلیمنٹ اور اسمبلی میں تقریر کرنا بہت آسان ہوتا ہے؛ مگر زمینی سطح پر شہر شہر اور قریہ قریہ گھوم کر کام کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے؛ مگر مولانا ایک زمین سے جڑے ہوئے ممبر پارلیمنٹ تھے۔ اردو کے لیے انھوں نے ریاست اور اضلاع تک تحریک چلائی اور اردو کو اس کھویا ہوا مقام ومرتبہ بازیاب کرانے کی کوشش کی۔ پارلیمنٹ کے باہر انھوں نے اردو کے حق کے لیے جو نمایاں کام کیے اس کی تفصیل مختصراً، اس طرح ہے۔

۲۲؍مئی ۱۹۵۱ء کو ''انجمن ترقی اردو'' کے ایک وفد کے ہمراہ اردو کے ساتھ ہونے والی نا انصافیوں کی شکایت لے کر مولانا سیوہاروی یوپی کے وزیر تعلیم سمپورنا نند(۷) سے ملے، اس وفد میں مولانا کے ساتھ سابق صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین اور مشہور ناول نگار ادیب قاضی عبدالغفار بھی شریک تھے۔

۲۲-۲۳؍دسمبر ۱۹۵۱ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں لکھنؤ میں ایک کل ہند اردو کانفرنس ہوئی تھی، جس میں اردو کے قانونی حقوق کی بازیابی کے لیے ۲۰؍لاکھ دستخط کی مہم کا فیصلہ ہوا تھا، اس مہم

کو انجام تک پہنچانے میں مولانا کا ہی بیش تر حصہ تھا اور جب جمعیتی کارکنان وغیرہ کی مدد سے ۲۰/لاکھ دست خط پورے ہوگئے، تو پھر ۲۵-۲۶/جولائی ۱۹۵۳ء کو لکھنؤ میں ہی اردو کی دوسری کل ہند کانفرنس ہوئی اور دستخطی مہم کی روداد صدر جمہوریۂ ہند کو پیش کرنے کا منصوبہ طے پایا، مولانا اس میں بھی پیش پیش رہے۔

۲۱-۲۲/مارچ ۱۹۵۲ء کو اجمیر میں جو کل ہند کانفرنس قاضی عبدالغفار کی صدارت میں ہوئی، اس کا افتتاح مولانا نے ہی کیا۔

۱۵/فروری ۱۹۵۴ء کو انجمن ترقی اردو ہند کا ایک وفد ڈاکٹر ذاکر حسین کی سرکردگی میں صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد سے ملا اور یوپی میں اردو کو علاقائی زبان قرار دینے کے لیے ۲۰/لاکھ دستخط کا گراں بار ریکارڈ انھیں سونپا گیا، اس میں دوسرے سربراہان ہند کے ساتھ مولانا بھی شریک تھے۔ ملاقات کے بعد دوسرے روز وفد کی جانب سے ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا، جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین اور پنڈت کشن پرشاد کول(۸) کے علاوہ مولانا نے بھی پریس والوں سے بات کی۔

۴/اگست ۱۹۵۶ء کو مولانا نے جے پور پہنچ کر راجستھان کے وزیر تعلیم اور ڈائریکٹر تعلیمات سے ملاقات کر کے راجستھان کے اسکولوں میں اردو کو نظر انداز کیے جانے کی شکایت کی۔

۱۵/فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں ایک کل ہند اردو کانفرنس ڈاکٹر تاراچند(۹) کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس کا افتتاح پنڈت نہرو نے کیا اور مولانا آزاد نے اپنی زندگی کی آخری تقریر بھی یہیں کی، اس کانفرنس کے منتظم اور صدر مجلس استقبالیہ مولانا سیوہاروی تھے، چندے کی فراہمی کا بہت زیادہ بوجھ بھی مولانا نے ہی برداشت کیا۔ مشہور ناقد و ادیب آل احمد سُرور اس کانفرنس کے انعقاد کے بارے میں مولانا کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''[مولانا نے] اپنے سیاسی کاموں کا حرج کر کے اس کانفرنس کے انتظامات کیے۔ انھی کی وجہ سے دہلی کی کانفرنس اتنی شان دار ہوئی کہ پنڈت جی آئے۔ مولانا آزاد نے کانفرنس کو خطاب کیا اور ہماری تحریک کا اثر پورے ملک نے محسوس کیا۔'' (روزنامہ الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر، ص:۱۳۳)

کانفرنس کے بعد ۲۹/اپریل ۱۹۵۸ء کو نئی دہلی میں انجمن ترقی اردو کا دوسرا وفد دوسری بار صدر جمہوریہ سے ملا، دوسرے قائدین کے ساتھ مولانا اس میں بھی پیش پیش تھے۔

مولانا سیوہاروی کی تحفظ اردو تحریک کا جذبہ کبھی سرد نہیں پڑا۔ انھوں نے سرکاری سطح پر کوشش

کے ساتھ زمینی سطح پر بھی کام کیا۔ انھوں نے مابعد آزادی ملک کے بدلتے لسانی نقشے میں اردو کو اس جائز مقام دلانے کے لیے اردو میڈیم اسکولوں اور تعلیمی اداروں کے قیام کی تحریک بھی چلائی۔ وہ خود حالاں کہ مدرسہ کے تعلیم یافتہ آدمی تھے، انھوں نے روایتی موضوعات قرآن وحدیث اور فقہ ومنطق کا علم حاصل کیا تھا اور دین وشریعت کا تحفظ ان کے نزدیک اولیت کا حامل تھا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مولانا امت مسلمہ کی شرعی رہ نمائی اور ان کے مذہب ودین کے تحفظ کے لیے مدارس اور دینی ادارے قائم کرتے؛ مگر وہ زبان کے بقا کو تہذیب وثقافت کے بقا کے ساتھ مشروط کر کے دیکھتے تھے، وہ زبان کو عام زبانوں کی طرح صرف ایک ذریعۂ اظہار نہیں، اس کو قومی وملی بقا کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے، ان کا یقین تھا کہ قوموں کے وجود وبقا میں زبانوں کا اہم رول ہوتا ہے؛ اس لیے انھوں نے مدارس ومکاتب کے بجائے اردو میڈیم اسکول کھولا اور اس قسم کی تعلیم گاہیں قائم کرنے میں قولاً وعملاً دلچسپی لی۔ انھیں صرف لڑکوں کی ہی نہیں، لڑکیوں کی اردو تعلیم کی بھی اتنی ہی فکر تھی۔ فاطمہ سردار احمد جو بلی ماران دہلی میں مولانا کے قائم کردہ اسکول کی پرنسپل رہ چکی ہیں، لکھتی ہیں:

> ''آزادی کے بعد کے پرآشوب زمانہ میں جب دہلی میں مسلمان لڑکیوں کا تو ذکر کیا لڑکوں تک تعلیم کے لالے پڑے ہوئے تھے مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نے بلی ماران میں اردو میڈیم کا ایک گورنمنٹ ہائر سکینڈری اسکول لڑکیوں کے واسطے کھلوایا تھا۔'' (حکایات پارینہ یا داستان گمشدہ، ص:۷، فاطمہ سردار احمد، جے کے آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی ۱۹۹۹ء)

مولانا سیوہاروی ایک باذوق عالم دین تھے، شعر وادب کا شوق بھی ان کو خالق کائنات کی طرف سے ودیعت ہوا تھا۔ انھوں نے میر وغالب اور کلاسیکی اردو شعر وداب کا مطالعہ کر رکھا تھا اور غالب کے پیچیدہ اور مغلق اشعار کی ایسی نادر تشریح کرتے تھے کہ سامعین دنگ رہ جاتے تھے۔ شری گوپی ناتھ امن لکھنوی اس قسم کا اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پارسال یوم غالب پر جب انہوں نے حضرت غالب کے اس مطلع کی تشریح کی کہ ''نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا'' تو تمام مجمع سے صدائیں بلند ہوئیں۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کی رحلت پر درگاہ نظام الدین میں جو تعزیتی جلسہ ہوا اس میں مولانا نے اسی انداز میں تقریر فرمائی جیسے کہ خواجہ صاحب مرحوم کیا کرتے تھے۔'' (روزنامہ الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر، ص:۱۴۳)

وہ ادبی مجلسوں کے انعقاد وانتظام میں بھی دل چسپی لیتے تھے۔ انھوں نے اپنے اسی ذوق شعر و

ادب کے اظہار واعلان کے لیے بہت سے شان دار مشاعرے کروائے۔ دہلی اور اطراف دہلی میں منعقد ہونے والے اردو کے درجنوں مشاعروں میں انھوں نے بنفس نفیس شرکت کی اور انھیں کام یابی کی منزل تک پہنچایا۔ شعراء کے مابین معاصرانہ چشمک کے نتیجے میں جو ناچاقی اور کشاکش جنم لیتی ہے، اس کو ختم کرانے میں بھی مولانا ثالثی کا رول ادا کرتے تھے۔ اور دونوں متحارب گروپ کو اپنی خوش کلامی اور شیریں بیانی سے لمحوں میں شیر وشکر کر دیتے تھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ(۱۰) لال قلعہ کے تاریخی مشاعرے میں پیش آیا کہ اس میں معروف انقلابی شاعر جوشؔ ملیح آبادی نے اپنی نظم میں سیاسی حالات پر تنقید کر ڈالی، جس کے جواب میں ایک شاعر نے جوشؔ صاحب کے خلاف قطعہ پڑھ دیا، جو کسی بھی طرح موزوں نہ تھا۔ جب منتظمین میں تنازع نے جنم لیا، مولانا نے حسن تدبیر سے ثالثی کر کے اس کو ختم کرایا۔

مولانا نے ہر اعتبار سے مظلوم اردو زبان کو ہندستان کے لسانی نقشے میں مناسب جگہ دلانے کے لیے کوشش کی۔ اردو کی خدمت کا جذبہ مولانا کی رگوں میں خون بن کر گردش کرتا تھا۔ مولانا اردو کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے کتنے متفکر اور کوشاں رہتے تھے کہ اس وقت کے اردو داں اور پروفیسرز حضرات بھی مولانا کی اس زبردست جدوجہد کے مداح بن گئے تھے؛ چناں چہ اس وقت کے انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سکریٹری اور مشہور ادیب وناقد آل احمد سرور(۱۱) مولانا کی اردو نوازی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اردو کی تحریک میں مولانا لیڈر کی حیثیت سے نہیں، سپاہی کی حیثیت سے انجمن کا کام کرتے تھے۔ جہاں مولانا کی ضرورت محسوس ہوئی بھیج دیا جہاں دقت ہوئی مولانا نے سلجھا دی، جہاں اختلاف ہوا مولانا کی وجہ سے دور ہو گیا۔'' (روزنامہ الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر، ص:۱۳۲)

اردو زبان کے احیا اور اس کے فروغ کے حوالے سے مولانا کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ سڑک سے لے کر پارلیمنٹ تک اردو کی جنگ لڑتے رہے۔ تحفظ اردو کے حوالے سے ان کی متنوع خدمات کو کسی ایک مختصر مضمون یا مقالے میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک دراز نفس موضوع ہے، جو ایک کتاب کا متقاضی ہے۔ اس موضوع پر ریسرچ وتحقیق کی بھی ضرورت ہے اور اس کو مفصل و مبسوط انداز میں منظر عام پر لانا وقت کا اہم تقاضا ہے؛ تاکہ ایک مدرسے کے فارغ التحصیل کا لسانی و ادبی کارنامہ تاریخ زبان کا حصہ بن سکے۔

بہت سی صلاحیتیں سیاست وقیادت کی نذر ہوجایا کرتی ہیں، یوں بھی سیاست کے میدان میں لکھنے پڑھنے کے مواقع کم میسر آتے ہیں؛ مگر مولانا اس معاملے میں مستثنیٰ تھے۔ انھوں نے صرف سیاست کے اسٹیج سے ہی اردو زبان وادب کی خدمت نہیں کی؛ بلکہ وہ اردو کے سرمایے میں مضامین اور کتابوں کے گل بوٹے بھی ٹانکتے تھے۔ سیاست کے جھمیلوں سے الگ ہوکر تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھتے تھے، ان کی ساری کتابیں اردو میں ہیں۔ مولانا نے اردو زبان میں گراں قدر معلوماتی اور تاریخی کتابیں تالیف کرکے اس کے گیسوئے برہم کو سنوارا ہے۔

مولانا کی تحریریں حقائق اور سماجی شعور سے مخاطبہ قائم کرتی ہیں، یہ نرگسی اور مافوق فطری عناصر سے نہیں؛ بلکہ حقیت وواقعیت اور اصلیت وصداقت کے عناصر سے لبریز ہیں۔ وہ صاف، سلیس، رواں اور سادہ نثر لکھتے تھے۔ وہ دلی کی تخلیقی ادبی نثر میں تحریریں لکھتے تھے۔ ان کے جملے انتہائی مختصر مگر بڑے بامعنی، چست اور ادبیت سے لبریز ہوتے تھے۔ اگر وہ میدان سیاست سے الگ رہ کر صرف مطالعہ وکتب بینی اور قلم وقرطاس سے اپنا رشتہ استوار رکھتے، تو وہ کم از کم مدارس کی حد تک آج اردو کے کثیر التصانیف مصنّفین میں شمار ہوتے۔ وہ عالم ہی نہیں ادیب بھی تھے۔ شورش کا a ی نے صحیح لکھا ہے:

''مولانا حفظ الرحمٰن خطیب ہی نہیں عالم بھی تھے اور ادیب بھی۔'' (بوئے گل، نالۂ دل، دود چراغ محفل، ص: ۴۰۰)

المیہ یہ ہے کہ مولانا کی اردو نوازی اور تحریک احیائے اردو سے اہل علم وادب کا بڑا حلقہ نا آشنا ہے۔ جس اردو زبان کے لیے انھوں نے دن رات دیوانہ وار کام کیا، جو زبان ان کا جنون تھی، ان کا شوق تھی؛ اسی زبان کی جب علاقائی اور قومی تاریخ لکھی گئی تو مولانا کو بالکل نظر انداز کیا گیا۔ اردو اکادمی دہلی نے 'دلی والے' کے عنوان سے جو تین جلدیں شائع کی ہیں، اس کی دوسری جلد میں مولانا کا بھی ذکر کیا گیا ہے؛ مگر یہ مضمون بڑا تشنہ اور ناقص ہے۔ مولانا کی علمی، رفاہی اور سیاسی خدمات کو تو نمایاں کیا گیا؛ مگر ان کی اردو خدمات کے تعلق سے ایک جملہ بھی نہیں لکھا گیا؛ حالاں کہ کتاب کے مضمون نگاروں کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ وہ یہی مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ہیں جن سے آل احمد سُرور اور ترقی پسندوں کے علم بردار اور نظریہ ساز سجاد ظہیر بھی بہت زیادہ متأثر تھے۔ سجاد ظہیر اپنی مشہور کتاب ''روشنائی'' میں مولانا کے بارے میں کچھ اس طرح اپنی معلومات اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں:

''مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو میں ۱۹۳۶ء سے جانتا تھا؛ جب کہ وہ اور میں دونوں ایک ساتھ سیاسی کام کرتے تھے۔ مولانا بہت سلجھے ہوئے دماغ کے ستودہ صفات

اور عالم فاضل انسان ہیں اور اس کے باوجود کہ میں جس سیاست پر کاربند تھا اس سے ان کو بہت سی باتوں میں اختلاف تھا۔ ان کی شفقت وعنایت مجھ پر ہمیشہ رہتی تھی۔ میں انہیں سامراج دشمنی، وطنی آزادی کی مشترکہ جدوجہد میں اپنا بزرگ اور قابل احترام رفیق تصور کرتا تھا۔ میں جب بھی دلی جاتا تو ان کی زیارت اپنا فرض سمجھتا تھا۔'' (روشنائی، ص:۳۴۹)

ان کی لسانی خدمات اور اردو تحریک میں ان کی خدمات کو وقت کے ناموروں نے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کے سابق جسٹس شری ایس پی سنہا، جن سے مولانا قانونی معاملات میں مشاورت وگفتگو کرتے تھے، نے اپنے مضمون میں لکھا:

''محبان اردو کو یاد ہوگا کہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے اور ہیں جو اس [اردو] کے وجود ہی کے منکر تھے اور ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر سمپورنانند حالاں کہ شاید اس کو لوگ نہیں جانتے کہ وہ خود بھی ایک نہایت اچھے اردو کے شاعر ہیں۔ ایک ایسی جماعت بھی تھی جس کا طریقہ نہایت مخدوش تھا۔ مثلاً پرشوتم داس ٹنڈن، ڈاکٹر رگھبیر سیٹھ گوبند داس۔ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا یہ مولانا ہی کا کام تھا۔ یہ لوگ اردو مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی زبان کہہ کر بدنام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی وجہ سے پاکستان بنا۔ اگر یہ ختم نہ کردی جائے گی تو اس ملک میں اور بہت سے پاکستان بن جائیں گے۔ یہ کہہ کر ایک ہوا کھڑا کردیا گیا تھا کہ مسلمان اس سے مرعوب ہوجاوے اور قریب قریب کامیاب ہوگیا تھا؛ لیکن کچھ محبان اردو ایسے تھے، جنھوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس میں حسب معمول مولانا پیش پیش تھے۔ یوں تو مولانا نے بہت سی تقریریں کیں؛ لیکن سب سے زوردار اور مدلل تقریر وہ تھی جو انھوں نے پارلیمنٹ میں ۲۹/مارچ ۱۹۶۲ء کو کی تھی، جس سے مسٹر ٹنڈن، سیٹھ گوبند داس کے الزامات اور مولانا کا جواب پوری طرح سے ظاہر ہوجائے گا۔'' (روزنامہ الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر، ص:۱۳۸)

انجمن ترقی اردو راجستھان کے صدر خان بہادر الطاف احمد خیری (سبک دوش آر، اے، ایس) نے اپنے مضمون 'مولانا حفظ الرحمٰن بحیثیت محسن قوم وزبان' میں لکھا:

''مولانا مرحوم سے میری ابتدائی ملاقات بھی غالباً اردو کے تحفظ کے سلسلہ میں ہوئی اور اس کے بعد سے ان سے زیادہ تر تبادلۂ خیالات اردو ہی کے بارے میں ہوا۔ مولانا نے کبھی ہندی کی مخالفت نہیں کی؛ مگر ساتھ ہی ساتھ ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اردو کو اس جائز مقام ملے اور اس کو بھی ملک کی ایک قومی زبان کی حیثیت سے پھلنے پھولنے کا موقع حاصل ہو۔ وہ نہ صرف انجمن ترقی اردو ہند کی

مجلس عاملہ کے ممبر تھے اور اپنے مفید مشورے انجمن کو دیتے تھے؛ بلکہ انجمن کے باہر بھی وہ ہر ممکن طریقے سے اردو کی حمایت کرتے تھے۔ امریکہ سے اردو کی حمایت میں جو خط انھوں نے اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کو اور ملک کے وزیر اعظم کو بستر علالت سے بھیجے وہ غالباً اردو کے لیے ان کی آخری خدمت تھی۔'' (روزنامہ الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر، ص:۱۴۲)

حیرت کا مقام یہ بھی ہے کہ مولانا کی زندگی، ان کی علمی وسیاسی خدمات پر اب تک کوئی باضابطہ تصنیف بھی نہیں ملتی، کسی شخص، تنظیم یا ادارے نے اس سمت میں پیش رفت نہیں کی ہے۔ لے دے کے ہفت روزہ الجمعیۃ کا وہ خصوصی نمبر ملتا ہے جس میں معاصرین کے تأثراتی قسم کے مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ یا ڈاکٹر مولانا ابوسلمان شاہ جہاں پوریؒ کی کتاب 'مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی: ایک سیاسی مطالعہ' مارکیٹ میں دستیاب ہے، جو کوئی مستقل اور باقاعدہ تصنیف نہیں کہی جاسکتی؛ بلکہ مختلف مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ ہر طرف سناٹا پسرا ہوا ہے۔ نہ کوئی اردو تحریک و تنظیم ان کو منہ لگانے کو تیار ہے اور نہ کوئی فاضل مدرسہ ان کی خدمات کو قلم بند کرنے کے لیے راضی ہے۔

مولانا تو کینسر کے مہلک مرض کا شکار ہوئے، بہت پہلے ہم سے منہ موڑ لیا، ۱۹۶۲ء میں وہ عالم آخرت کو سدھار گئے؛ مگر ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہے، ضرورت ہے کہ کوئی اردو داں یا مدرسے کا کوئی فاضل ہی اس خالی میدان میں آئے اور کوئی ایسی سوا¤ کتاب لکھ کر اس خلا کو پر کردے، جس میں ان کی سیاسی خدمات کے ساتھ تحریک اردو میں ان کی شراکت داری کا بھی تذکرہ ہو۔ اس سے ۵۰؍سال بعد ہی سہی علمی اور ادبی دنیا میں مولانا کے نام اور کام سے شناسائی کا سلسلہ شروع ہوسکے گا۔ اسلاف فراموشی کے مرض پر قابو پانا ضروری ہے، ورنہ نسل نو ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

❁ ❁ ❁

حواشی وحوالے:

(۷) سمپورنانند اتر پردیش کے وزیر تعلیم رہے ہیں۔ یہ ایک معلم اور استاد کے طور پر مشہور تھے۔ سنسکرت اور ہندی کے بڑے اسکالر تھے۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۹ء میں وفات پائی۔

(۸) پنڈت کشن پرشاد کول، ہندستانی کے حامیوں میں تھے۔ اسی ہندستانی زبان کو وہ ہندی، ہندوی، ہندستانی، ریختہ اور اردوئے معلیٰ کہہ کر پکارتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی کتاب ''ادبی اور قومی تذکرے'' میں ایک مضمون شامل ہے، جس کا عنوان ہے۔ ''ہندی۔ اردو یا ہندستانی'' جو بہت چشم کشا اور ہندی اردو تنازع میں تصفیہ کے حوالے سے بڑا بصیرت افروز بھی ہے۔ یہ مضمون اصل میں ایک خطبہ ہے، جو انھوں نے ہندستانی زبان کے کنونشن کی استقبالیہ تقریب کے چیرمین کی

حیثیت سے ۱۹۴۸ء میں لکھنؤ میں پیش کیا تھا۔ اس میں انھوں نے بہت تفصیل سے اردو اور ہندی اور ہندستانی زبان کے ساتھ، گانریس پارٹی اور مہاتما گاندھی کے مسئلہ زبان پر گفتگو کی ہے اور اردو یا ہندستانی کے مخالفین پر شوتم داس ٹنڈن اور سمپورنا نند جی کے زبان کے معاملے میں شدت پسندانہ خیالات کا بھی ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ یہاں پر اس مضمون ایک اقتباس خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ ''اردو اور ہندی کا جھگڑا تو خواہ مخواہ کا جھگڑا ہے دونوں ایک ماں کی جائی ہیں اور سگی بہنیں ہیں لیکن ہمارے فرقہ وارانہ تعصب اور جوش نے سوتیلے پن کا برتاؤ شروع کر کے نئی ہندی اور اردو یا ہندستانی میں غیریت پیدا کردی ہے۔ اردو والے اور نئی ہندی والے دونوں اس میں قصوروار ہیں۔ اور جب تک ہم اس سوال پر ہندو یا مسلمان کی فرقہ وارانہ ہٹ سے نظر ڈالتے رہیں گے کبھی اس دلدل سے نکل نہیں سکتے۔ اگر ہمیں اردو، ہندی یا ہندستانی کے سوال کو سمجھ کے طے کرنا ہے تو اس سوال کو زبانوں کے علم اور تاریخ کی نگاہ سے دیکھنا پڑے گا۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو جھگڑا آسانی سے مٹ جائے گا۔ میرے لئے یہاں یہ تو ممکن نہیں کہ میں زبانوں کے علم اور تاریخ سے بحث کروں لیکن دو چار موٹی موٹی باتیں اس کے متعلق ضرور کہنا چاہتا ہوں۔'' (ادبی اور قومی تذکرے، کشن پرشاد کول، ص: ۸-۷، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، ۱۹۵۱ء)

(۹) ڈاکٹر تاراچند (۱۹۷۳-۱۸۸۸ء) ایک دانش ور، ماہر تعلیم اور مؤرخ تھے۔ خصوصا ہندستان کی ازمنۂ قدیم کی تاریخ پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ انھوں نے الہ آباد اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری آکسفورڈ سے حاصل کی تھی۔ الہ آباد یونی ورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر اور پھر اس کے وائس چانسلر رہے۔ فارسی اور اردو کا ادیبانہ ذوق رکھتے تھے۔ متعدد کتابیں انھوں نے لکھیں، جن میں تمدن ہند پر اسلامی اثرات بہت مشہور ہے۔ یہ بھی اردو اور ہندستانی کے مسئلہ پر بہت صاف نظریہ رکھتے تھے۔ ان کے نظریۂ زبان اور اردو نوازی کے حوالے سے یہ دو حوالے یادگار ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند نے لکھا ہے:

''مسلمانوں کی آمد کے وقت ہندوؤں کی زبان کیا تھی؟ اس اردو کی ابتدائی شکل۔ جس کا نام ہندی / ہندوی تھا۔ اس طرح یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو کے آغاز وارتقا کا سہرا صحیح معنوں میں ہندوؤں کے سر ہے۔ وہی اس کی پیدائش کے حقیقی ذمہ دار ہیں۔ مسلمانوں کو اردو کی پیدائش کا ذمہ دار قرار دینا غلط ہے۔ ہاں اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں نے اردو کے نکھارنے، چمکانے، سجانے، سنوارنے، نیز اسے ترقی یافتہ بنانے اور ادبی مرتبے تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔'' (رام پرکاش کپور کا مضمون، مشمولہ، امنگ، راشٹریہ سہارا، ۲۰/دسمبر ۲۰۱۵ء)

اردو مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی اختلاط کا ثمرہ ہے۔ اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر تاراچند ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مسلم ذہن ہندوانہ رنگ وروپ قبول کرنے لگا اور اس نے فارسی وترکی کی جگہ مقامی زبانوں کو سیکھنا اور استعمال کرنا شروع کیا، ہندوؤں نے عربی وفارسی وترکی الفاظ کو مقامی محاوروں کی جگہ دی، اس لین دین کا منافع ہماری تہذیب کے خزانے میں اردو زبان کی شکل میں ہوا۔'' (ہندوستانی کلچر کا ارتقاء، ص: ۴۸ جمال پریس دہلی، ۱۹۶۸ء)

(۱۰) اس واقعہ کے تعلق سے حاجی انیس دہلوی اپنے مضمون میں مولانا احمد سعید دہلوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسی سلسلے میں مولانا [احمد سعید دہلوی] کی اس کوشش اور خواہش کا ذکر کیا جانا ضروری ہے، جس کے تحت ہندوستان کی تاریخی عمارت لال قلعہ میں ۱۹۵۲ء میں یوم جمہوریہ کے مشاعرے کا آغاز ہوا۔ مولانا کی اس کوشش کے پس پشت یہ جذبہ بھی شامل تھا کہ اس طرح اہل دلی اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی شعری عظمتوں کو بھی یاد کرتے رہیں۔''

''لال قلعہ کا مشاعرہ بے حد اہتمام سے منعقد کیا گیا، صدر مشاعرہ مولانا ہی تھے، اس مشاعرے میں جوش ملیح آبادی نے حسب عادت ایسا کلام سنایا جس میں علمائے دین اور حور وغلمان کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ مشاعرے میں پنڈت نہرو کے علاوہ

استاد بے خود دہلوی، بسمل شاہجہاں پوری، گوپال متل کے علاوہ دیگر اکابر شعرا بھی موجود تھے، کسی کو بھی جوش صاحب کی یہ جرأت پسند نہیں آئی، سب نے احتجاج کیا، استاد بے خود نے جوشؔ کا کلام سن کر دلی کی زبان میں دو چار گالیاں دیں، اور فرمایا

بے خودؔ نہ سمجھ خوب سمجھتا ہوں تجھے
شمع میرے ہی، جلانے کو تو ٹھنڈی کردی

پھر ایک مادر زاد گالی دے کر فرمایا:

بوڑھا ہوں مگر تاب جواں رکھتا ہوں
صورت پہ نہ جا حسن بیاں رکھتا ہوں
ملتی ہے مجھے داد فصاحت بے خودؔ
میں قلعۂ دہلی کی زباں رکھتا ہوں

پنڈت جی نے جب یہ حالت دیکھی تو بے خودؔ مرحوم کے پیر پکڑ کر دبائے؛ تاکہ معاملہ ٹھنڈا ہو۔ مولانا نے جب مشاعرے کا رنگ بگڑتے دیکھا، تو اپنی غزل بسملؔ شاہجہانپوری کو دیتے ہوئے کہا۔

''لو بھئی بسمل اسے پڑھو اور چلو''۔ (دلی والے، ص:۴۸)

(۱۱) آل احمد سرور نے اپنی خودنوشت 'خواب باقی ہیں' میں بھی مولانا کا بڑے اچھے انداز میں تقریباً دو صفحات میں ذکر کیا ہے اور ان کی رفاقت و معیت کو اپنے لیے ایک خوش نما دور سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی اردو تحریک میں سرگرم مجاہدانہ شمولیت اور ان کی لسانی و سیاسی خدمات کا شمار کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

''علما میں مجھے مولانا حفظ الرحمان ہی ایسے نظر آئے جو ایک طرف علوم دینیہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور دوسری طرف جدید دور کے تقاضوں کو بھی سمجھتے تھے۔ آزادی کی جد جہد میں انھوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور آزادی کے بعد خدمت کی راہ اختیار کی۔ ایک دفعہ مولانا کے یہاں ضرورت مندوں کا ہجوم دیکھ کر میں نے مولانا سے کہا کہ آپ کا سارا وقت چند لوگوں کی شکایتیں دور کرنے اور سفارشات میں صرف ہوتا ہے حالاں کہ آپ کو آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی اور خوش حالی کے لیے اور ملک کی فلاح کے لیے کام کرنا ہے۔ کہنے لگے آپ درست کہتے ہیں مگر کیا کروں جب کوئی ضرورت مند میرے پاس آتا ہے تو مجھ سے انکار نہیں ہوتا۔ میں نے کہا چند افراد کو ملازمتیں دلوانے یا ان کے ساتھ جو بے انصافی ہوئی ہے اسے دور کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا ہمیں ان چیزوں کی جڑ تک جا کر ایسے ادارے بنانے ہوں گے جو مجموعی طور پر پس ماندہ افراد کو اوپر اٹھا سکیں۔ مولانا نے وعدہ کیا کہ وہ اب اپنے وقت کا بہتر استعمال کریں گے؛ مگر پھر کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے اور سارے کام دھرے رہ گئے۔'' (خواب باقی ہیں، ص:۲۱۳)

❁ ❁ ❁

مسائل وفتاویٰ

سوال: نماز پڑھنے کے دوران یہ بھول جاتا ہوں کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں، شاید کہ کوئی نماز ایسی ہو جس میں گنتی یاد رہتی ہو، اور یہ معاملہ صرف اور صرف نماز ہی میں ہوتا ہے، ویسے یادداشت الحمدللہ ٹھیک ہے، پوری کوشش کے باوجود اکثر یہ بھول تیسری اور چوتھی رکعت میں ہوتی ہے، کبھی ایک رکعت ملا کر سجدہ سہو کر لیتا ہوں اور کبھی نماز دہرا لیتا ہوں، نماز دہرانے میں بھی اکثر ایسا ہی ہوتا ہے، کبھی ایک نماز میں سجدہ سہو بھی دو دو یا تین تین ہو جاتے ہیں، کیا ایک نماز میں دو یا تین سجدہ سہو ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ کیا نماز کے دوران سجدہ کی جگہ کے پاس کوئی کنکری رکعت کی تعداد کے برابر رکھ لیا کریں اور سجدہ کے بعد اس کو ہاتھ سے ہٹا دیا کریں تاکہ رکعت کی اس طرح سے گنتی ہو جائے اور بھول سے بچا جا سکے، نماز سے پہلے میں اعوذ باللہ، بسم اللہ، استغفر اللہ، لاحول، سب پڑھ لیتا ہوں کہ شیطان نہ ورغلائے، پھر بھی بھول ہو جاتی ہے، میں بہت پریشان ہوں، کیا کروں، میرے حق میں دعا بھی کریں اور حل بھی بتائیں۔ جزاک اللہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدا ومصلیا ومسلما الجواب واللّٰہ التوفیق:

(۱) اگر اکثر شک کی حالت پیش آتی ہے، تو غور وفکر کرنے کے بعد جس جانب ذہن کا رجحان غالب ہو، اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے، مثلاً: اگر تین اور چار میں شک ہوا اور چار رکعت کا ظن غالب ہو، تو چار ہی رکعات مان کر عمل کرنا چاہیے اور اگر غور وفکر کے باجود کسی جانب غالب گمان نہ ہو، تو کم رکعت پر بناء کرنی چاہیے، مثلاً: اگر تین اور چار میں شک ہوا، تو تین رکعات مان کر چوتھی رکعات پوری کرنی چاہیے؛ البتہ تیسری اور چوتھی دونوں رکعات پر قعدہ کرنا ضروری ہے اور آخر میں سجدہ سہو بھی لازم ہے۔

وإن كثر الشك "تحرى و "عمل" أى أخذ "بغالب ظنه" لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: "إذا شك أحدكم فليتحر الصواب فليتم عليه" وحمل على ما إذا كثر الشك للرواية السابقة "فإن لم يغلب له ظن أخذ بالأقل" لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: "إذا

سها أحدكم فى صلاته فلم يدر واحدة صلى أو اثنتين فليبن على واحدة فإن لم يدر اثنتين صلى أو ثلاثا فليبن على اثنتين فإن لم يدر ثلاثا صلى أو أربعا فليبن على ثلاث ويسجد سجدتين قبل أن يسلم" يعنى للسهو. قوله: "فليتحر الصواب" أى عنده وقوله فليتم عليه محمول على ما إذا وقع تحريه على الأقل ويحتمل أن المراد أنه يتمها ولو بما بقى منها كالتشهد والسلام قوله: "فإن لم يغلب له ظن" بأن لم يترجح عنده شيء بعدالطلب كما فى الكافى أو لم يكن له رأى كما فى الهداية قوله: "أخذ بالأقل" فلو شك فى ذوات الأربع أنها الأولى أم الثانية وبنى على الأقل يجعلها أولى ثم يقعد لجواز أنها ثانية فتكون القعدة فيها واجبة ثم يقوم فيصلى ركعة أخرى ويقعد لأنا جعلناها فى الحكم ثانية ثم يقوم فيصلى ركعة أخرى ويقعد لجواز أنها رابعة ثم يقوم فيصلى أخرى ويقعد لأنا جعلناها فى الحكم رابعة والقعدة على الثالثة والرابعة فرض وكذلك لو شك أنها الثانية أو الثالثة ولم يغلب على رأيه شيء يقعد فى الحال لجواز أنها ثانية ثم يقوم فيصلى ركعة أخرى ويقعد لجواز أنها رابعة ثم يقوم فيصلى ركعة أخرى ويقعد لأنا جعلناها فى الحكم رابعة وعلى هذا الثنائى والثلاثى كذا فى الذخيرة وتمامه فى المطولات. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۱/٤۷۷، فصل فى الشك، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) نماز میں ایک سے زائد غلطی کی صورت میں ایک ہی سجدہ سہو کافی ہے، سجدہ سہو کا تکرار مشروع نہیں ہے۔

قال ابن عابدين: (قوله وإن تكرر) حتى لو ترك جميع واجبات الصلاة سهوا لا يلزمه إلا سجدتان بحر.. (رد المحتار: ۲/۸۰، باب سجود السهو، دار الفكر، بيروت)

(۳) رکعات کی تعداد یاد رکھنے کے لیے سجدہ کی جگہ کنکری رکھنا ثابت نہیں ہے۔

فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

كتبه
محمد مصعب عفی عنہ
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۴۴۲/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح:
وقارعلی غفرلہ، محمد اسد اللہ غفرلہ
مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

=====================

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بابت؟ میرا پرنٹنگ پریس کا کام ہے حالیہ بارشوں میں پریس میں پانی آ گیا تھا جس سے پریس مکمل (کاغذ و دیگر ساز و سامان سمیت) تباہ ہوا ہے۔ پوچھنا یہ تھا کہ جو کاغذ پبلشرز ہمارے پاس بھیجتے ہیں پرنٹنگ کے لیے اس کی نوعیت کیا ہے وہ امانت ہے یا ملکیت یا کچھ دیگر؟ وہ جو پیپر ضائع ہوا ہے حادثاتی طور پر کیا ہم اس پیپر کے ضامن ہیں؟ کچھ پبلشرز ایسے ہیں جو اس پیپر کی رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں مہربانی فرما کر اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدا ومصلیا ومسلما الجواب واللّٰہ التوفیق:

پبلشرز پرنٹنگ کے لیے جو کاغذ دیتے ہیں، اس کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے، لہٰذا اگر پرنٹنگ والے کی طرف سے تعدی کے بغیر کسی حادثے وغیرہ میں کاغذ ضائع ہو جائے، تو شرعاً ضمان واجب نہیں ہوگا۔

وحكم الأجير المشترك أن ما هلك فی يده من غير صنعه فلا ضمان عليه فی قول أبی حنيفة – رحمه اللّٰه تعالی – وهو قول زفر والحسن، وإنه قياس سواء هلك بأمر يمكن التحرز عنه "كالسرقة والغصب أو بأمر لا يمكن التحرز عنه كالحرق الغالب والغارة الغالبة والمكابرة. لو أعطاه مصحفا ليعمل له غلافا أو سيفا ليعمل له جهازا أو سكينا ليعمل لها نصابا فضاع المصحف أو السيف أو السكين فإنه لا يضمن إجماعا. كذا فی السراج الوهاج. وفی المنتقی عن أبی يوسف – رحمه اللّٰه تعالی – لو دفع إليه مصحفا ينقطه بأجر فضاع غلافه لم يضمن وكذلك لو دفع إليه ثوبا ليرفوه فی منديل فضاع المنديل وكذلك إذا دفع إليه ميزانا ليصلح كفتيه فضاع العود الذی يكون فيه الميزان. كذا فی المحيط. ومن استأجر رجلا علی خياطة ثوبه أو علی قصارة ثوبه فقبضه فتلف فی يده بغير فعله وبغير تعد منه فلا ضمان عليه كذا فی شرح الطحاوی (الفتاوی الهندية: ٤/ ٥٠٠، كتاب الاجارة، زكريا)

فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

کتبہ

محمد مصعب عفی عنہ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۴۴۲/۲/۲۶ھ

الجواب صحیح:

وقار علی غفرلہ، محمد اسد اللہ غفرلہ

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

==========

سوال: کیا شادی میں گانا گانا جائز ہے، میوزک کے بغیر؟ یا صرف ڈف کے ساتھ؟

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدا ومصلیا ومسلما الجواب واللّٰہ التوفیق:

گانے کے اشعار کا مضمون اگر خلاف شرع امر پر مشتمل ہو، مثلاً: کذب گوئی یا مذموم تفاخر یا فحش کلامی اور بے حیائی پر مشتمل ہو یا مجلس میں کوئی نامحرم شامل ہو تو میوزک کے بغیر بھی شادی میں عورتوں کا ایسا گانا گانا جائز ہے، پس اگر کوئی عورت خالص عورتوں کے درمیان حمد ونعت یا حکمت ودانائی کی باتوں پر مشتمل اشعار ترنم سے پڑھ دے اور اس کی آواز مجلس سے باہر نہ جائے، تو اس کی گنجائش ہے، لیکن آج کل شادیوں میں جو گیت وغیرہ پڑھنے کا رواج ہے، وہ عموماً خلاف شرع باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں، ان کے مضمون سے گناہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے، ایسے مروجہ گانوں کا میوزک کے بغیر بھی گانا جائز ہے، حدیث کی رو سے ایسے غنا سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔

قال ابن عابدین: وقال فی تبیین المحارم: واعلم أن ما کان حراماً من الشعر ما فیه فحش أو هجو مسلم أو کذب علی الله تعالی أو رسوله صلی اللّٰه علیه وسلم أو علی الصحابة أو تزکیة النفس أو الکذب أو التفاخر المذموم، أو القدح فی الأنساب، وکذا ما فیه وصف أمرد أو امرأة بعینها إذا کانا حیین، فإنه لایجوز وصف امرأة معینة حیة ولا وصف أمرد معین حی حسن الوجه بین یدی الرجال ولا فی نفسه، وأما وصف المیتة أو غیر المعینة فلا بأس وکذا الحکم فی الأمرد ولا وصف الخمر المهیج إلیها والدیریات والحانات والهجاء ولو لذمی کذا فی ابن الهمام والزیلعی. وأما وصف الخدود والأصداغ وحسن القد والقامة وسائر أوصاف النساء والمرد قال بعضهم: فیه نظر، وقال فی المعارف: لایلیق بأهل الدیانات، وینبغی أن لایجوز إنشاده عند من غلب علیه الهوی والشهوة لأنه یهیجه علی إجالة فکره فیمن لایحل، وما کان سبباً لمحظور فهو محظور اهـ. أقول: وقدمنا أن إنشاده للاستشهاد لایضر ومثله فیما یظهر إنشاده أو عمله لتشبیهات بلیغة واستعارات بدیعة.

(ردالمحتار: ۶/۳۵۰، کتاب الحظر والاباحة، دار الفکر، بیروت)

واضح رہے کہ دف بجانے سے مقصود اعلان ہوتا تھا کہ کچھ دھب دھبا ہٹ ہو جائے تا کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے، آج کل کے موسیقی میں بالعموم دف والی چیزیں نہیں پائی جاتیں، ان میں جلاجل ہوتے ہیں اور ہیئت تطرب پر ان کو بجایا جاتا ہے اور بذاتِ خود موسیقی مقصود ہوتی ہے، محض اعلان

مقصود نہیں رہتا۔

فقط واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

کتبہ

محمد مصعب عفی عنہ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۴۴۲/۱/۲۳ھ

الجواب صحیح:

وقار علی غفرلہ، محمد اسد اللہ غفرلہ

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

==========

سوال: مسجد میں نماز کے لیے داخل ہونے کے بعد کیا تھوڑی دیر بیٹھ کر نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیے؟ جب کہ ہماری سانس پھول بھی نہ رہی ہو؟ بہت سے لوگ مسجد میں جب نماز کے لیے تو پہلے بیٹھتے ہیں دو چار سکنڈ ہی صحیح دینی اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدا ومصلیا ومسلما الجواب واللہ التوفیق:

مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر مکروہ وقت نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ تحیۃ المسجد بیٹھے بغیر ہی پڑھی جائے۔**اذا دخل أحدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین** (بخاری، رقم:۵۵۱) فتاوی دارالعلوم (۴/۱۶۸) میں ہے: سنت یہی ہے کہ مسجد میں جاتے ہی بدون بیٹھ جانے کے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرے اور اگر پہلے بیٹھ گیا، تو یہ ترک اولی ہوگا الخ اور اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد پہنچا کہ نفل کا وقت نہیں ہے جماعت کا وقت قریب ہے، تو ایسی صورت میں بیٹھ جانا چاہیے، کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے۔ **إذا دخل الرجل عند الإقامة یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم۔** (الفتاوی الہندیۃ:۱/۶۳)

فقط واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

کتبہ

محمد مصعب عفی عنہ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۴۴۲/۲/۲۹ھ

الجواب صحیح:

وقار علی غفرلہ، محمد اسد اللہ غفرلہ

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

==========

احوال وکوائف

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا اجلاس

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کا سہ روزہ اجلاس ۸ تا ۹ رشعبان ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۳ تا ۲۴ رمارچ ۲۰۲۱ء بروز پیر تا بدھ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں منعقد ہوا۔ مجلس شوریٰ کے اس اجلاس کی صدارت کے فرائض حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سہارنپوری نے انجام دیئے۔

۸ رشعبان کی صبح مجلس شوری کے اجلاس کی پہلی نشست منعقد ہوئی جس میں اہم نکات پر مبنی مختصر ایجنڈے کے مطابق کارروائی کا آغاز ہوا۔ ایجنڈہ کے مطابق مجلس شوری منعقدہ ماہ صفر ۱۴۴۲ھ اور مجلس عاملہ منعقدہ جمادی الاولی ۱۴۴۲ھ کی کاروائیوں کی خواندگی وتوثیق عمل میں آئی اور خواندگی کی کاروائی کے دوران زیرغور مسائل پر فیصلے لیے گئے۔

اجلاس میں مجلس تعلیمی کی رپورٹ بھی پیش کی گئی اور اس موقع پر کووڈ بحران سے متاثر تعلیمی اور انتظامی امور کی بحالی اور حالات سے نبرد آزمائی کی حکمت عملی پر غور وخوض کیا گیا۔ کورونا سے منفی طور پر متاثر تعلیمی نظام، طویل تعطیلات اور طلبہ کو درپیش مسائل پر مجلس تعلیمی کی مفصل رپورٹ پیش کی گئی اور اس کی روشنی میں مجلس شوری نے مجلس تعلیمی کے سابقہ فیصلوں کی توثیق کی، جس کے مطابق آئندہ تعلیمی سال کے لیے طلبہ کے نئے داخلے نہیں لیے جائیں گے اور تمام طلبہ کو ششماہی امتحانات کے نتائج کی بنیاد پر اگلے درجات کے لیے ترقی دے دی جائے گی۔ یہ فیصلہ بھی لیا گیا کہ آئندہ ۱۰ رشوال تک تمام درجہ اول سے عربی ہفتم کے قدیم طلبہ دارالعلوم دیوبند پہنچ کر اپنی حاضری درج کرائیں؛ تاکہ ۲۰ رشوال سے تعلیمی سلسلہ شروع کیا جاسکے۔ دورۂ حدیث اور تکمیلات وشعبہ جات کے قدیم طلبہ کو حسب اعلان مطلوبہ تکمیلات وشعبہ جات کے لیے آن لائن درخواست جمع کرنی ہوگی اور نمبرات کی

بنیاد پر داخلے دیے جائیں گے۔ تعلیمی نظام کے ضمن میں مزید شہری مکاتب قائم کرنے کو منظوری دی گئی، اس قسم کے دس شہری مکاتب کام کررہے تھے، اب ان میں چار کے اضافہ کے بعد کل شہری مکاتب کی تعداد چودہ ہوگئی ہے۔

مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شعبۂ تعمیرات کی رپورٹ بھی پیش کی گئی۔ مجلس شوریٰ نے کورونا بحران کے دوران زیرالتوا تعمیری منصوبہ جات کا بھی جائزہ لیا اور حالات سازگار ہونے پر تعمیری کام شروع کرنے کا فیصلہ لیا۔ اسی طرح دارالعلوم انتظامیہ نے اس دوران اصلاح معاشرہ اور تحقیق و تالیف کے لیے جو دو کمیٹیاں (اصلاح معاشرہ کمیٹی اور تحقیق وتالیف وترجمہ کمیٹی) تشکیل دیں اور اس سلسلے میں جو اقدامات کیے مجلس شوریٰ نے ان کا بھی جائزہ لیا اور اسے قابل ستائش قرار دیا۔ اسی طرح دارالعلوم میں تملیک زکاۃ سے متعلق تشکیل شدہ کمیٹی کی رپورٹ بھی پیش کی گئی اور اس سلسلے میں متفقہ لائحۂ عمل طے کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مجلس نے فیصلہ کیا کہ اجلاس صدسالہ کے بعد دارالعلوم میں جو حالات اور واقعات پیش آئے تھے، دونوں طرف کے مرحوم اکابر کی طرف سے باہمی ایثار اور جذبۂ خیرسگالی کے نتیجے میں وہ ماحول ختم ہوچکا ہے؛ اس لیے جانبین سے اس بات کی کوشش کی جائے کہ اس طرح کی گفتگو اور تقریر وتحریر سے گریز کیا جائے کہ جس سے آپس میں دوریاں پیدا ہوں اور دونوں طرف کی ویب سائٹ پر اس قسم کی جو تحریریں موجود ہیں ان کو حذف کردیا جائے۔ نیز جانبین سے ایسی کوئی کتاب یا مضمون شائع نہ کیا جائے جو اس فیصلے کی روح کے منافی ہو اور اگر کسی کتاب میں ایسا مضمون ہو تو آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کردی جائے۔ مجلس شوریٰ نے باہمی رابطہ، خیرسگالی اور مشترک مسائل کے سلسلے میں مشاورت کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، صدرالمدرسین حضرت مولانا سیدارشد مدنی اور رکن شوری حضرت مولانا انوارالرحمٰن بجنوری (کنوینر) رکن مقرر ہوئے۔ مجلس نے اس کے بعد حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب سے بذریعہ فون رابطہ قائم کرکے مجلس میں تشریف لانے کی گزارش کی، جسے انھوں نے قبول کیا اور اپنے صاñ ادے مولانا محمد شکیب قاسمی کے ساتھ مجلس میں تشریف لائے۔ ان حضرات نے مجلس کی تجویز سے اتفاق کیا اور مشترکہ کمیٹی کی تائید کرتے ہوئے دارالعلوم وقف کی طرف سے بطور نمائندہ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی، حضرت مولانا احمد خضر مسعودی اور جناب مولانا محمد شکیب قاسمی (کنوینر) کا نام پیش کیا۔

مجلس شوریٰ میں متعدد اساتذۂ کرام کے عزیز و اقارب ،ارباب مدارس ،علما کرام،اور دارالعلوم دیوبند کے سفراء مولانا محمد شریف قاسمی مرحوم اور مولانا ظہیر الدین مرحوم کے لیے تعزیتی قرارداد منظور کی گئی اور ایصال ثواب کیا گیا۔مجلس شوریٰ کا یہ سہ روزہ اجلاس اہم تعلیمی وانتظامی تجاویز کی منظوری اور ملک وملت کے لیے فلاح وخیر کی دعاؤں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، صدرالمدرسین حضرت مولانا سید ارشد مدنی اور راقم تجاویز ومعاون مہتمم حضرت مولانا سید قاری محمد عثمان منصور پوری کے علاوہ حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی ،حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل مالیگاؤں، حضرت حکیم کلیم اللہ علی گڑھی، حضرت مولانا رحمت اللہ کشمیری، حضرت مولانا انوارالرحمٰن بجنوری، حضرت مولانا محمود راجستھانی، حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری، حضرت مولانا اشتیاق احمد مظفرپوری، حضرت مولانا سید انظر حسین میاں دیوبندی، حضرت مولانا عبدالصمد بنگال، حضرت مولانا سید محمد عاقل سہارنپوری، حضرت مولانا محمد عاقل گڈھی دولت شاملی، حضرت مولانا حبیب باندوی، حضرت مولانا محمد شفیق احمد بنگلوری کے نام شامل ہیں۔

غیر ملکی مہمانوں کی آمد

کووڈ بحران کے دوران مہمانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا اور مہمان خانہ میں مہمانوں کے قیام وطعام کا سلسلہ بند کردیا گیا تھا۔گذشتہ کئی ماہ سے افغانستان کا ایک سرکاری وفد دارالعلوم آنے کا متمنی تھا؛ چناں چہ حکومت ہند کی طرف سے ویزہ وغیرہ کی کاروائیوں کی تکمیل کے بعد ۱۹/ مارچ کو جناب محمد قاسم حلیمی وزیر الحج والاوقاف والارشاد کی قیادت میں ایک پنج رکنی وفد نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔وفد میں دیگر اراکین میں سید محمد شیرزادی مشیر وزارت الحج والاوقاف والارشاد، ڈاکٹر سراج الحق رکن مجلس علمائے افغانستان، جناب اسداللہ ساحل مشیر مجلس علمائے افغانستان اور جناب منصور یوسف زئی سکریٹری وزیر الحج شامل تھے۔ وفد نے دارالعلوم کے مہمان خانے میں مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی اور نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی سے ملاقات کی اور تبادلۂ خیال کیا۔ وزیر موصوف نے دونوں ملکوں کے علماء کے درمیان روابط اور دارالعلوم سے فارغ ہونے والے اور زیر تعلیم افغان طلبہ کے امور سے متعلق گفتگو کی۔ وفد کے اراکین نے دارالعلوم کیمپس، جدید زیر تعلیم لائبریری اور مسجد رشید کا دورہ بھی کیا۔

دارالعلوم میں نئی تقرریاں

دارالعلوم نے مختلف ضرورتوں کے تحت متعدد شعبہ جات میں نئے افراد کا تقرر کیا ہے۔ شعبۂ تنظیم وترقی میں کئی سفراء کے انتقال کی وجہ سے خالی جگہوں اور دیگر نئے علاقوں میں فراہمیٔ مالیات کے لیے چھ نئے افراد (سفراء) کا اضافہ کیا گیا۔ ان اسامیوں کے لیے تقریباً بائیس امیدواران کا انٹرویو ہوا اوران میں سے چھ افراد کا انتخاب عمل میں آیا۔ اسی طرح شیخ الہند اکیڈمی میں کتب ورسائل کی کمپوزنگ وسیٹنگ کے ایک کمپیوٹر آپریٹر کی اسامی کے لیے انٹرویو کے بعد انتخاب عمل میں آیا۔

رسالہ دارالعلوم کے کارکن جناب عبدالجبار صاحب کا انتقال

رسالہ دارالعلوم کے قدیم کارکن جناب عبدالجبار صاحب بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مختصر علالت کے بعد ۲۴؍اپریل ۲۰۲۱ء مطابق ۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کی شب کو انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! مرحوم کئی دہائیوں سے رسالہ دارالعلوم کے دفتر میں ملازم تھے اور رسالہ کا کام نہایت محنت، تندہی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں اوران کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں!

❁ ❁ ❁

نئی کتابیں

(۱)

نام کتاب : حبیب الفتاویٰ آٹھ جلدیں (جدید ترتیب، تعلیق وتخریج)
تالیف : حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی مدظلہ العالی
بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ
صفحات : چوبیس سو سے زائد قیمت: (درج نہیں)
ناشر : مکتبہ طیبہ دیوبند (09412558230)
تعارف نگار : مولانا اشتیاق احمد قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند

==========

''فقہ'' سارے علوم شرعیہ میں دقیق ترین علم ہے، قرآن، سنت اور اجماع سے نہایت ہی باریکی، گہرائی، گیرائی اور احتیاط کے ساتھ مسئلہ طے کرنے کو فقہ کہتے ہیں، یہ ہر کس وناکس کا کام نہیں، اس کے لیے علوم قرآنی کے ساتھ احادیث نبوی کے جملہ گوشوں سے واقفیت ضروری ہے۔ ''فتویٰ'' اس سے اور آگے کی چیز ہے، اس کے لیے بڑی دور اندیشی درکار ہوتی ہے، احوال زمانہ اور عرف وعادت سے پوری طرح واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ افتاء کی ذمہ داری اہلیت کے ساتھ فرض کفایہ ہے اور اگر کوئی متبادل نہ ہو تو فرض عین۔ ہر آدمی اپنے پیش آمدہ مسائل دریافت کرتا ہے، شرعی اور قانونی مشکل حل کرنا چاہتا ہے تب ہی مفتی کو تلاشتا ہے، یہ کام زبانی بھی انجام دیا جاتا ہے اور تحریری بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ اس کی رہنمائی فرماتے اور اگر وہ حکم معلوم نہ ہوتا تو وحی کا انتظار فرماتے تھے، تکمیل شریعت کے بعد اس کام کو صحابۂ کرامؓ نے بحسن وخوبی انجام دیا؛ مگر نزاکت اور اہمیت کی وجہ سے اکثر صحابۂ کرامؓ خود بچتے اور ان کی یہ خواہش ہوتی کہ اپنے سے بڑے سے یہ کام لیا جائے، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ میں افتاء کی ذمہ داری نبھانے والے افراد چند ہی تھے۔ اس منصب کے لیے جرأت وہی شخص دکھاتا ہے جس میں جہالت ہوتی ہے اور جو

اپنے انجام سے بےفکر ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے موفق اہل علم سے یہ خدمت لی ہے۔ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

انھیں باتوفیق اہل علم وفضل میں حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی مدظلہ ہیں، جن کو ایک لمبے عرصے تک اس خدمت گرامی کی توفیق نصیب ہوئی، ان کے فتاویٰ آج آٹھ جلدوں میں مرتب ہوکر اہلِ ذوق کے لیے خوانِ یغما بنے ہوے ہیں، ظاہری وضع قطع بھی دیدہ زیب ہے، تین تین سوصفحات کی ہلکی پھلکی جلدیں استفادے کے لیے جہاں لے جائیں جیسے رکھیں ہر کروٹ آپ کی رہنمائی کے لیے تیار! حضرت مفتی صاحب کا قلم نہایت رواں دواں اَشہب ہے، تعبیرات بڑی واضح اور سلیس ہیں جن سے بعض خشک عنوان میں بھی تراوٹ اور تازگی آگئی ہے بعض فتاویٰ طویل اور طویل ترین بھی ہیں؛ لیکن اکثر مختصر؛ مگر واضح ترین؛ ماقلّ ودلّ کی مثال، اکثر مقامات پر استاذ محترم حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ، آہنگ، خو بو اور خوشبو موجود ہے جو مشام جاں کو معطر اور قلب وروح کو مطمئن کرتے ہیں، حوالہ جات کا اہتمام اصل فتاویٰ میں ہے؛ اس پر نئی تعلیق وتخریج نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے، جو عصر جدید کے ذوقِ لطیف کی ضرورت پوری کررہی ہیں، تحقیق وتخریج میں جن کتابوں کے حوالے نظر آئے ان میں- بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، معانی الآثار، دارقطنی، مشکوٰۃ، عمدۃ القاری، بذل المجہود، تفسیرات احمدیہ، درمختار، ردالمحتار، نورالایضاح، طحطاوی، عالم گیری، بدائع، بحر، نہر، بزازیہ، خانیہ، تاتارخانیہ، ولوالجیہ، تبیین، ہدایہ، نہایہ، جوہرہ، غنیّۃ، منیہ، فتح القدیر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، طبری، احسن الفتاویٰ، امداد الفتاویٰ- نمایاں ہیں۔ جتنے فتاویٰ دیکھے سب پر اطمینان ہوا، اٹھارہ بیس سال پہلے اس کی پہلی جلد نظر سے گزری تھی، یہ جدید ترتیب ہے، ان شاء اللہ قارئین اس کو پڑھیں گے اور اہل فقہ وفتاویٰ کے درمیان قبول حاصل ہوگا، **وما ذلك على الله بعزيز!**

==========

(۲)

نام کتاب : تہذیب الاصول یعنی آسان اصول تفسیر

تالیف : حضرت مولانا مفتی محمد امین پالن پوری مدظلہٗ العالی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

صفحات : ۲۰۷ قیمت: ۷۰/روپے

ناشر : مکتبہ الاحسان دیوبند 9027755527
تعارف نگار : مولانا اشتیاق احمد قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند

==========

مدارس اسلامیہ میں تین علوم عالیہ اوران کے اصول پڑھائے جاتے ہیں، یعنی تفسیر، حدیث، فقہ اوران تینوں کے اصول؛ اصول کے بیان میں احناف کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اصول فقہ کے ضمن میں تینوں اصول کو بیان فرمایا ہے، کتاب اللہ کے عنوان کے تحت اصول تفسیر اور قواعد فہم النصوص کو بیان کیا ہے اور سنت رسول اللہ کے تحت اصول حدیث کو بیان فرمایا ہے؛ مگر وہ بہت مختصر ہے، ''ایضاً'' کے انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ جو اصولی باتیں کتاب اللہ کے اصول میں بیان ہوئی ہیں وہی سنت رسول اللہ میں ملحوظ ہیں؛ اس لیے ہمارے مدارس میں اصولِ حدیث کے لیے باضابطہ کتابیں داخل نصاب ہیں، اسی طرح تفسیر کے اصول کو بنیادی طور پر سمجھانے کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الفوز الکبیر'' داخل نصاب ہے؛ اس لیے کہ اس میں بیان کردہ اصول وضوابط اصول فقہ کے ضمن میں بیان نہیں کیے گئے ہیں، اسی انفرادیت کی وجہ سے اس کو مدارس میں قبول عام حاصل ہے۔

''الفوز الکبیر'' کے پانچ ابواب ہیں، پہلے باب میں تفسیر کی بنیادی باتیں ہیں، دوسرے میں فہم قرآن کی دشواریوں کا حل ہے، تیسرے باب میں نظم قرآنی کی باریکیوں کی بحث ہے، چوتھے باب میں مناہج تفسیر کا بیان ہے اور پانچواں باب غرائب القرآن اور ضروری اسباب نزول سے متعلق ہے؛ مگر الفوز الکبیر کے نام سے صرف ابتدائی چار ابواب ہی طلبۂ کرام کے سامنے ہوتے ہیں، پانچواں باب حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تحریر فرمایا اور اس کو مستقل عنوان دے کر رسالہ بنادیا ہے، اس کا نام ہے: **فتح الخبیر بما لابد منه حفظهٖ فی علم التفسیر**۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ابتدائی چار ابواب کی خدمت خوب ہوئی، چار اہل علم نے اس کے عربی ترجمے کیے، سب سے پہلے محمد منیر دمشقی، پھر حروف مقطعات کی بحث کا ترجمہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی نے کیا، پھر سید سلمان حسینی ندوی نے چاروں ابواب کا ترجمہ کیا اس ترجمے میں سقم تھا بارہ غلطیاں مولانا انور بدخشانی نے نکالیں پھر ضرورت محسوس کرتے ہوئے اصل فارسی متن کو سامنے رکھ کر حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے عربی ترجمہ کیا؛ جب کہ اس سے پہلے عربی زبان میں العون الکبیر کے نام سے شرح لکھ چکے تھے۔ اردو شروحات میں ایک عون الکبیر صوفی عبدالحمید سواتی کی، دوسری الفوز العظیم مولانا خورشید انور فیض آبادی کی ملتی تھی، نئے عربی ترجمے کے بعد حضرت

استاذ محترم مفتی محمد امین پالن پوری مدظلہ العالی نے اس کی شان دار اردو شرح الخیر الکثیر کے نام سے تحریر فرمائی، اردو ترجموں میں ایک مولانا سعید انصاری علی گڑھ کا ترجمہ ملتا ہے؛ مگر وہ نہایت لفظی ہے، دوسرا ترجمہ مولانا محمد رفیق چودھری کا ہے؛ مگر وہ بالکل آزاد ترجمانی ہے، تیسرا ترجمہ یاسین اختر مصباحی کا ہے، اس ترجمے کے ساتھ عربی ترجمہ دمشقی بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ یہ چوتھا ترجمہ حضرت استاذ محترم مفتی محمد امین پالن پوری مدظلہ کا ہے، یہ ترجمہ نرا ترجمہ نہیں اور نہ ہی آزاد ترجمانی ہے؛ بلکہ یہ اردو زبان میں مستقل طور پر اصول تفسیر پڑھانے کے لیے وجود میں آیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے زمانے میں عوامی زبان فارسی تھی تو انھوں نے فارسی زبان میں الفوز الکبیر لکھی؛ تاکہ طلبہ کو استفادے میں دشواری نہ ہو، آج اردو زبان عام ہے تو اس کا اردو زبان میں ہونا بڑا موزون ہے، اس میں ترتیب الفوز الکبیر کی ہے، بعض جگہ اختصار یا تقدیم وتاخیر سے کام لیا گیا ہے، بعض جگہ مثالوں کا اضافہ بھی ہے، تفسیری بحث کو جچے تلے مگر دوٹوک انداز میں لکھا ہے، مثلاً منسوخ آیات کی بحث کو دیکھیے، بہت مختصر اور جامع ہے اس کے حاشیے میں ابن عربی اندلسی اور ابن عربی مصنف فتوحاتِ مکیہ کے درمیان فرق کو بیان فرمایا ہے جو ہر قاری کے لیے ضروری ہے، بعض جگہ عبارت میں اضافہ بھی ہے مثلاً علامہ عبید اللہ سندھی کا ملفوظ ص ۹۰ پر، اخیر میں الفوز الکبیر کی افادیت اور اردو تراجم میں سب سے اہم ترجمے کی تعیین اور اس کی دلیلیں بڑی دل چسپ ہیں، مترجم محترم کی زبان بڑی عمدہ اور سلیس ہے، جس نے کتاب کے حسن میں حد درجہ اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر میں برکت اور کتاب کی قبولیت میں اضافہ فرمائیں! وباللہ التوفیق!

==========

''النهضة الأدبية'' عربی سہ ماہی رسالے کا اجراء

عربی زبان وادب کے فروغ کے لیے دارالعلوم دیوبند کا خوش آئند قدم

از: مولانا مصلح الدین قاسمی
استاذ تفسیر وادب دارالعلوم دیوبند

عربی زبان اسلام کی مذہبی زبان ہے؛ اس لیے کہ قرآن کریم - جو احکام شرعیہ کا منبع ومصدر ہے- کا نزول عربی زبان میں ہوا، احادیث مبارکہ کے ذخیرے عربی زبان میں ہیں، اللہ رب العزت کے آخری اور برگزیدہ نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زبان عربی تھی، اسلامی علوم: تفسیر وحدیث وفقہ تصوف واخلاق اور تاریخ اسلام کا مستند اور اصل ذخیرہ عربی زبان میں ہے، اسی وجہ سے ہر زمانے میں اہل علم اس زبان کو سیکھنے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے لیے دل وجان سے کوشاں رہے ہیں، مدارس اسلامیہ کے نصاب ہائے تعلیم میں بھی اس زبان پر خصوصی توجہ رہی ہے اور ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا تو عربی زبان وادب کے فروغ میں کردار بہت روشن اور نمایاں ہے؛ چنانچہ اس کے اکابر نے مختلف موضوعات پر عربی زبان میں ایک بڑا علمی ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے جس سے علمی حلقے مسلسل فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

نیز عربی صحافت میں بھی دارالعلوم دیوبند کا بڑا حصہ ہے، چنانچہ دو ماہی مجلّہ **دعوة الحق**، پندرہ روزہ جریدہ **الداعی**، پھر ماہنامہ **الداعی** اور تحقیقی مجلّہ **الدراسات الإسلامية** وغیرہ اس کا بین ثبوت ہیں۔

بالخصوص ماہنامہ **الداعی** نے عربی زبان وادب کی حیثیت سے پورے عالم عرب میں جو مقام حاصل کیا ہے اور علمائے عرب سے جو خراج تحسین حاصل کیا وہ عالم آشکارا ہے۔ الحمد للہ یہ ماہنامہ آج بھی دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ ادب عربی حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی زید مجدہم کی ادارت میں ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ دارالعلوم سے کوئی ایسا مجلّہ شائع ہو کہ جس کی زبان کا معیار سہل وآسان ہو، جس سے طلبہ بھی استفادہ کر سکیں، نیز عربی کا ذوق رکھنے والے ہونہار طلبہ کو

بھی اس میں مضامین لکھنے کا موقع ملے، تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ مقالہ نگاری اور انشاء پردازی کے میدان میں آگے بڑھ سکیں۔

چنانچہ حضرات اراکین مجلس شوری دارالعلوم دیوبند نے **النادی الأدبی** کے پلیٹ فارم سے سہ ماہی مجلّہ **النهضة الأدبية** کے اجراء کا فیصلہ فرما کر ایک نہایت اہم اور قابل ستائش اقدام کیا ہے۔

اس مبارک قدم سے جہاں عربی زبان وادب کو فروغ ملے گا وہیں شعبۂ ادب عربی سے منسک اور دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو ان شاء اللہ اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا زریں موقع بھی فراہم ہوگا۔

مجلّہ **النهضة الأدبية** نے محرم الحرام ۱۴۴۱ھ سے اپنے سفر کا آغاز کر دیا ہے، امید قوی ہے کہ یہ مجلّہ بھی دارالعلوم دیوبند کے عربی ترجمان الداعی کی طرح اسلامی نسل نو کے قلوب میں عربی زبان کی محبت پیدا کریگا۔

برادر گرامی مرتبت حضرت مولانا محمد ساجد قاسمی ہردوئی استاذ تفسیر وادب دارالعلوم دیوبند کی ادارت میں شائع ہونے والا یہ نیا مجلّہ اپنے صحیح منہج اور اس فکری روش پر گامزن رہتے ہوئے جو اکابر دارالعلوم کا طرّۂ امتیاز ہے، مدارس عربیہ اور اسلامی یونیورسٹیز کے طلبہ کو آسان زبان میں قیمتی ادبی مواد، اچھے مضامین، منتخب تعبیرات اور عربی زبان وادب کے مختلف الانواع اسالیب پیش کرے گا، جن سے انھیں فن انشاء پردازی میں ترقی کے مواقع میسر ہوں گے، ان میں عربی زبان کا ذوق پیدا ہوگا اور مہارت حاصل کر کے دین متین کی صحیح خدمت انجام دیں گے۔

مجلّہ درج ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

(۱) قرآن وحدیث کے نصوص کی توضیح وتشریح، ممتاز ادبا کے مقالات، نوآموز اہل قلم کی نگارشات، عالمی اور مقامی خبروں، اور الفاظ وتعبیرات جیسے مفید گوشوں پر مشتمل ہے۔

(۲) تقریباً تمام مقالات ومضامین کا اسلوب آسان اور سہل ہے جنھیں طلبہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) مضامین مختصر ہیں، طویل نہیں ہیں کہ اکتاہٹ کا باعث ہوں، لہٰذا انھیں دلچسپی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔

مجلّہ بیس صفحات پر مشتمل ہے، طلبہ کے لیے جس کی رعایتی قیمت صرف 10 روپیہ رکھی گئی ہے۔ جب کہ سالانہ زر اشتراک 40 روپیہ ہے۔

قارئین حضرات ماہنامہ ''الداعی'' کے دفتر سے حاصل کر سکتے ہیں اور دارالعلوم کی ویب سائٹ پر بھی اس کے شمارے دیکھ سکتے ہیں۔